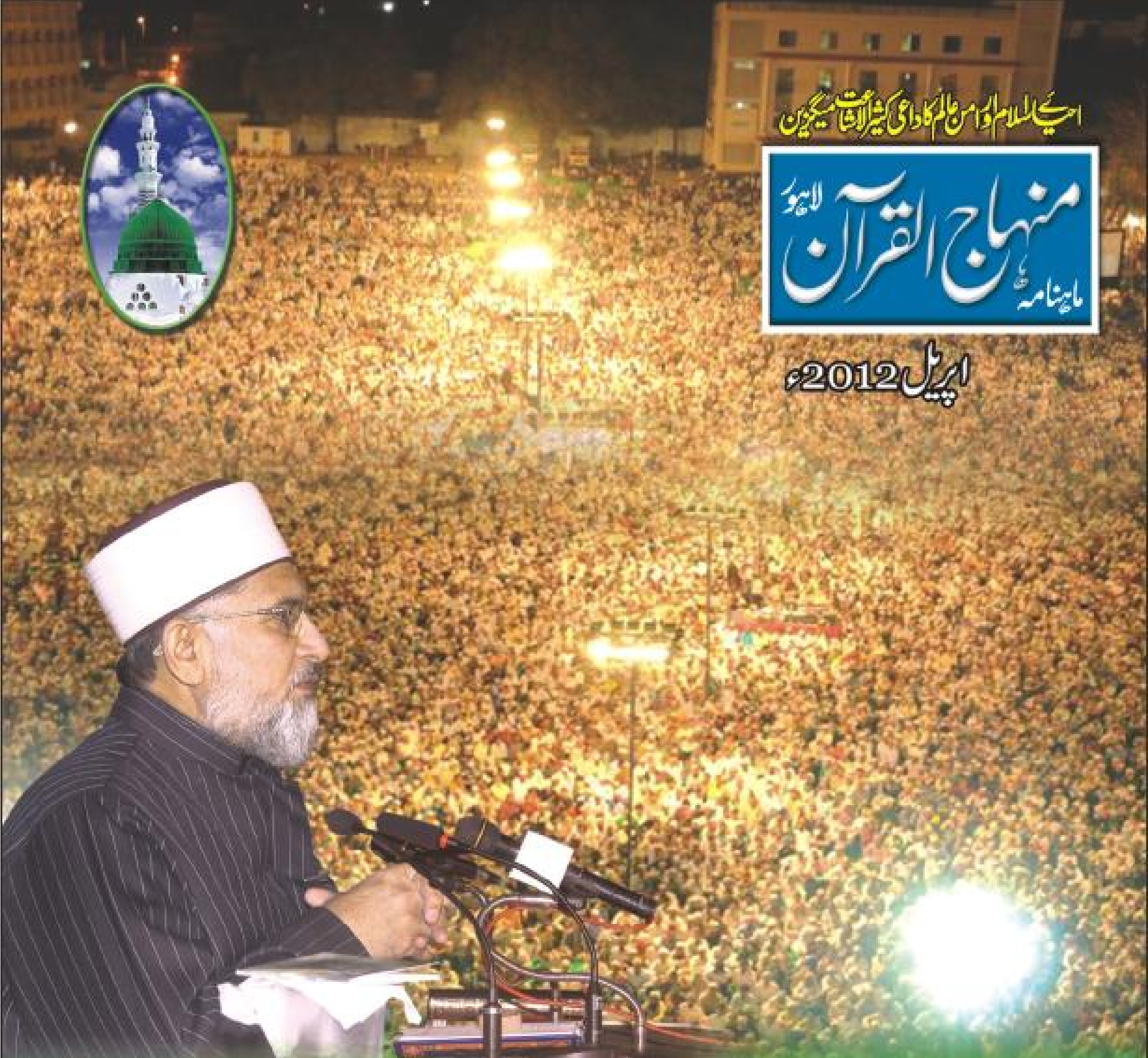

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اپریل 2012ء

اتحادِ امت اور سیرتِ نبوی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دار السلام (حیدر آباد، انڈیا) میں خصوصی خطاب

ترجیحات کا تعین

برصغیر پاک و ہند میں مکالمہ بین المذاہب

حمد باری تعالیٰ جل جلالہٗ

امتِ احمد کو پھر ''منہاج'' وہ درکار ہے
جس پہ راہِ زیست کا ذرہ ہر اک گلزار ہے

یا الٰہی ہو یہی ''منہاج'' منزل آشنا
جس پہ چل کر قلبِ مسلم ضوفگن، ضوبار ہے

یا الٰہی! ہم سے دنیا بھی چھنی، دیں بھی گیا
جس طرف دیکھیں خدایا! کفر کی یلغار ہے

ہم بھلا بیٹھے ہیں اسوہ سرورِ کونینؐ کا
ہم ہیں محبوسِ بلا، ہر سانس اب آزار ہے

ترک ہم نے کردیا ہے مصطفیؐ کے دین کو
اور ترے احکام کے باغی بنے، اقرار ہے

ہم برے ہیں یا بھلے، پھر بھی شہؐ والا کے ہیں
نسبتِ سرکارؐ سے، ہم سے بھی تجھ کو پیار ہے

عہدِ رفتہ کی بلندی بخش دے اسلام کو
تیرے ہیں سب ہی سوالی، تو ہی غم خوار ہے

ہے رضاؔ بیمار، اک تیرے کرم کی آس ہے
اس کے ہاتھوں میں تری ہی حمد کا ایثار ہے

(پروفیسر محمد اکرم رضاؔ)

نعت بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آؤ صمیمِ قلب سے حمد و ثنا کریں
آؤ کہ سب حضورؐ سے عہدِ وفا کریں
آؤ زرِ متاعِ سکینت کریں تلاش
تجدیدِ اتباعِ حبیبِ خدا کریں
نعلینِ مصطفیٰؐ کا جو رکھتے ہیں سر پہ تاج
سارے جہاں پہ شاہی وہی اولیاء کریں
نورِ نبیؐ سے کرکے فروزاں بجھے چراغ
اِک انقلاب ذہنِ بشر میں بپا کریں
میلاد کی خوشی میں چراغاں ہو کُو بکو
دھرتی کا کہکشاں سے بھی رتبہ سِوا کریں
گلپاشیاں کرو کہ ہے آمد حضورؐ کی
آنکھیں فدائے جلوۂ بدرِ دُجیٰ کریں
گھر گھر سجیں محافلِ میلادِ مصطفیٰؐ
گھر گھر میں آؤ سنتِ یزداں ادا کریں
ہونٹوں پہ زمزمے ہوں درود و سلام کے
مخمور نغمگی سے یہ ساری فضا کریں
کرتے ہیں اہتمام جو میلادِ پاک کا
آؤ کہ اُن کے واسطے مل کر دعا کریں
وقتِ قبولیت ہے یہ میلاد کی گھڑی
آؤ خدا سے اپنا بیاں مدعا کریں
سلطان انبیاء کی شفاعت نصیب ہو
آؤ خدا سے اپنے سبھی التجا کریں
الطافؔ خاکِ پائے رسالتمآبؐ سے
آؤ کہ اپنے قلب و نظر کی جلا کریں

(سید الطاف حسین گیلانی)

اداریہ: مایوس کن صورت حال کا ذمہ دار کون؟

کرپشن، بددیانتی، ملک فروشی، مہنگائی، عدالتی توہین اور بدترین انتظامی کارکردگی کے تاریخی ریکارڈ قائم کرنے والے موجودہ حکومتی ڈھانچے کی مرکزی قیادت ذاتی مفادات کے کھیل میں اس قدر مگن ہوچکی ہے کہ اسے اب کوئی جرم، جرم ہی نہیں لگ رہا۔ قومی ادارے بدترین کارکردگی کی تصویر بن چکے ہیں۔ بے چینی اور اضطراب کا شکار عوام، مسائل کی چکی میں پسے چلے جارہے ہیں مگر ان کے درد کی دوا دینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ گذشتہ مہینے میں خالی ہونے والی بعض نشستوں پر ضمنی انتخابات ہوئے جن کے حیران کن نتائج اس ملک کے سوچنے سمجھنے والے طبقے کے لئے مزید پریشانی کا باعث بن رہے ہیں۔ ان انتخابی نتائج نے چند اساسی نوعیت کے سوالات اٹھادیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آیا میڈیا دن رات قوم کے سامنے جن بدترین حالات کا رونا روتا ہے یا جو مسائل زیر بحث آتے ہیں اور ان کی ذمہ داری حکومت پر ڈالی جاتی ہے، اس میں کہیں مبالغہ آرائی تو نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ حقائق درست ہیں تو کیا یہ سب کچھ اب بھی ہمیں احساسِ زیاں دلانے میں ناکام رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو سوچنا پڑے گا کہ ہم بحیثیت قوم کب بیدار ہوں گے؟ پاکستان کی سلامتی خطرے میں ہے عوام لمحہ بہ لمحہ غربت اور بے روزگاری کی سونامی میں غرق ہورہے ہیں لیکن اتنے ظلم ستم نا انصافیاں اور تلخیاں بھی اس قوم کو کسی واضح اور مثبت تبدیلی کی طرف متوجہ نہیں کر پارہی ہیں تو مقام تعجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قوم میں صبر بہت زیادہ ہے کہ ہر ستم کو وہ آخری ستم سمجھ کر سہہ رہے ہیں۔ لیکن خودکشیوں کی روز افزوں تعداد صبر وتحمل کی علامت تو نہیں۔ البتہ ہم بطور قوم شاید بے شعور، بے جہت اور بے ضمیر ہوچکے ہیں۔ شاید ہمارے اندر باقی اقوام کی طرح کا احساس زیاں موجود نہیں ورنہ اس نام نہاد جمہوریت کے ہاتھوں جس قدر مسائل جنم لے چکے ہیں اور ان مسائل نے ہماری انفرادی اور قومی زندگی کو جتنا مشکل بنا دیا ہے یہ حالات کسی بھی قوم کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہوتے ہیں اور ان سے گلوخلاصی کے لئے مناسب جدوجہد کرتی ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہم اپنے مذہب کے ساتھ، اپنے ملک کے ساتھ اپنی آئندہ نسل کے ساتھ حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہیں۔ نفاق کی بڑھی ہوئی یہ صورت حال مجرمانہ غفلت بھی ہے اور خطرناک قومی حالت بھی۔ ظلم کو اپنی نظروں کے سامنے پنپتا ہوا دیکھ کر اس کے خلاف آواز نہ اٹھانے والے لوگ دراصل اپنے اور قوم کے مشترکہ دشمن ہوتے ہیں۔ پاکستانی قوم اس جرم عظیم کی بار بار مرتکب ہورہی ہے کیونکہ وہ اس منافقانہ جمہوری نظام کو خود اپنے اوپر مسلط کرنے کا جرم بھی بار بار کرتی چلی آئی ہے۔

ضمنی انتخابات کے حالیہ نتائج سے یہ افسوسناک صورت حال بھی واضح ہوگئی ہے کہ وطن عزیز کے دیہی علاقوں میں جس جاگیردارانہ نظام کی جڑیں مستحکم ہیں اس کے تحت حالات جو بھی ہوں وہاں کے استاد پٹواری اور پولیس والے اسی وڈیرے کے اشاروں پر پتلی کی طرح ناچتے ہیں۔ ان کی نہ اپنی سوچ ہے نہ کوئی پروگرام۔ وہ کل بھی اپنے سردار، مخدوم اور سائیں کے غلام تھے آج بھی ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جس وقت تک اس ابلیسی جاگیردارانہ نظام کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک نہیں دیا جاتا۔ ظاہر ہے اسے ختم کرنا اتنا آسان نہیں خصوصاً موجودہ نظام انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی یکے بعد دیگرے حکومتوں کی موجودگی میں تو یہ خواب ہی لگتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارا بیوروکریٹ، ہمارا سرمایہ دار اور ہمارا حاکم سب اسی ظالمانہ نظام کی پیداوار اور اس کے محافظ ہیں۔ ورنہ کسی بھی مہذب ملک میں اس طرح لاشوں پر اپنی جیت کے رقص نہیں کیے جاتے جس طرح ضمنی الیکشن جیتنے پر کیے گئے ہیں۔ پولنگ ایجنٹس کے طور پر تعینات سکول کے اساتذہ پر

تھپڑوں کے مناظر دیکھ کر ہمیں اس نظام میں پوشیدہ ''غریب پروری'' پر غور کرنا چاہئے۔ اگر پولیس افسر کی موجودگی میں ایک خاتون امیدوار پولنگ سٹیشن کی ذمہ دار اساتذہ خواتین کو تھپڑوں مکوں اور گھونسوں کا نشانہ بناسکتی ہے تو اس طبقے کے مرد جاگیردار وڈیروں اور سیاستدانوں کی ''غریب پروری'' کا عالم کیا ہوگا؟ وہ جائز و ناجائز میں کتنا فرق روا رکھتے ہوں گے، معاملات میں کس قدر تحمل انصاف اور جمہوریت کا خیال رکھتے ہوں گے؟

یہ ساری صورتِ حال پوری قوم اور ان سیاستدانوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے جو ملک میں ''تبدیلی کی سونامی'' لانے کا دعوی کرتے ہیں اور نظام کو انتخابی نتائج کے ذریعے تبدیل کرنے کی خوش فہمی میں مبتلاء ہیں۔ ان تمام حالات و واقعات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آئندہ قومی انتخابات بھی اسی طرح دھونس، دھاندلی، دولت، اسلحہ اور سرکاری وسائل کے غلط استعمال کا شاخسانہ ہوں گے۔ اس قوم کی قسمت میں تبدیلی اس نام نہاد جمہوریت کے ذریعے ممکن نہیں۔ ہمیں اس ملک کے حالات خطے کی نفسیات اور مذہبی و تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس جانبدارانہ جمہوریت کے چنگل سے نکلنا ہوگا۔ جس حلقے کے 93 ہزار لوگ نا تجربہ کار، بددیانت اور کرپٹ خانوادے کو اپنا نجات دھندہ اور نمائندہ سمجھنے میں بضد ہوں وہاں کب اور کیسے ووٹ کے ذریعے انقلاب آسکتا ہے؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

انہی حالات کو دیکھ کر پاکستانی قوم کے سامنے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے موجودہ نظام انتخابات سے بغاوت کی آواز بلند کی ہے۔ چند ماہ قبل ناصر باغ لاہور اور بعد ازاں لیاقت باغ راولپنڈی میں اجتماع عام میں بجا طور پر آپ نے اس کرپٹ نظام انتخابات سے بائیکاٹ کے لئے قوم کو جو کال دی تھی اس کی تائید اب خود حالات بھی کر رہے ہیں مگر ہمارا میڈیا بالعموم ایسے دردمندانہ افکار و نظریات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا کیونکہ ان تعمیری خیالات میں اسے خبریت اور گہما گہمی نہیں ملتی۔ ورنہ حالات جس سمت جا رہے ہیں اس میں علماء طلباء وکلاء اساتذہ اور بالخصوص میڈیا کے لوگ سب سے زیادہ ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ ان نمائندہ طبقات کو اس ملک کی سلامتی اور اس میں بسنے والوں کی عافیت عزیز ہے تو انہیں ابھی سے کسی نتیجے پر پہنچ جانا چاہیے اور آئندہ قومی انتخابات پر زیادہ امیدیں لگا کر مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ موجودہ ضمنی انتخابات کے نتائج سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہیں۔ یہ ابھی ٹریلر تھا، مکمل فلم بھی ہمارے سامنے آجائے گی۔ چھ ماہ یا ایک سال بعد پھر کیا یہی سیٹ اپ نہیں ہوگا؟ سرزمین پاکستان پر ابھی روشن سویرا نکلنے میں کتنی دیر باقی ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر شاید یہ قوم خود ابھی تاریکیوں میں بھٹکنا چاہتی ہے۔ ایسی صورت میں اسے کسی سے شکایت نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے جمہوری تماشے پر غور کرنا چاہئے۔ روح عصر کی پکار نے تو اسے متنبہ کر دیا ہے۔ اب بھی قوم سمجھنے اور غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو اس میں کون قصور وار ہے؟ لوٹنے والے یا خود کو لوٹ مار کے لئے بار بار پیش کرنے والے؟

ڈاکٹر علی اکبر قادری

خصوصی مبارکباد: گذشتہ ماہ شیخ الاسلام مدظلہ نے تقریباً ایک ماہ پر مشتمل انڈیا کا دعوتی اور تربیتی دورہ مکمل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور حضور تاجدار کائنات ﷺ کی توجہات سے یہ دورہ کئی حوالوں سے تاریخ ساز اور یادگار ثابت ہوا۔ اس کی صدائے بازگشت کئی عشروں تک چہار دانگ عالم میں سنائی دیتی رہے گی۔ مرکز سمیت پوری دنیا میں مصروف عمل تحریک کی قیادت اس موقع پر تحریک منہاج القرآن انڈیا کے منتظمین، کارکنان اور اہل اسلام کو صمیم قلب سے مبارکباد دیتے ہیں۔ دورہ کی تفصیلات کو مزید تاریخی بنانے کے لئے ماہنامہ منہاج القرآن نے ماہ مئی کے شمارہ کو خصوصی اشاعت کے طور پر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اتحاد امت اور سیرت نبوی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب☆

(حصہ اول)

مرتّب: محمد یوسف منہاجین　　　معاون: اظہر الطاف عباسی

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا. (آل عمران: ۱۰۳)

’’اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہوگئے‘‘۔

’’اتحاد امت اور سیرت نبوی ﷺ‘‘ کے موضوع پر یہ گفتگو تین حصوں میں مشتمل ہوگی:

۱۔ پہلا حصہ: حکم رسول ﷺ کی اطاعت اور تعمیل کے بیان پر مشتمل اس حصہ کا عنوان ’’اتحاد امت‘‘ ہے کہ قرآن وسنت میں صریحاً، بار بار مسلمانوں کو متحد ہونے، متحد رہنے اور ایک جسد واحد کی طرح جینے کا حکم موجود ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ: سیرت نبوی ﷺ کی اتباع، حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور سیرت نبوی ﷺ کے ضمن میں اس حصۂ گفتگو کا عنوان ’’مسلمان پیکرِ امن و رحمت‘‘ ہے اور اسے پیکر امن و رحمت بن کر رہنا چاہئے‘‘۔ اس حصہ میں گوشۂ سیرت نبوی ﷺ سے راہنمائی لی جائے گی۔

۳۔ تیسرا حصہ: ذات محمدی ﷺ سے مضبوط اور دائمی تعلق کی استواری پر مشتمل اس حصہ کا عنوان ’’حضور ﷺ کی محبت اور معرفت‘‘ ہے۔ اس حصہ پر پوری امت مسلمہ ایک ہوکر رہے، اس لئے کہ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔

اللہ رب العزت نے حکم دیا:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا.

’’اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو‘‘۔

پھر اتنی بات پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا وَلَا تَفَرَّقُوۡا اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوجاؤ، جڑو اور اپنے اندر افتراق اور انتشار پیدا نہ کرو بلکہ اتحاد اور وحدت پیدا کرو۔ اس فرمان کے بعد اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے حالت کفر اور بعثت محمدی ﷺ کے بعد دورِ اسلام کے زمانوں کا موازنہ فرمایا:

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً.

یاد کرو وہ نعمت جو تم پر ہوئی اس حال میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، باہم دست و گریباں تھے، ٹکڑوں

☆ مجلس اتحاد المسلمین ہند (حیدر آباد دکن انڈیا) کے 54 ویں یوم تاسیس (مورخہ 2012-03-02) کے موقع پر ’’دارالسلام‘‘ میں لاکھوں شرکاء سے خصوصی خطاب (CD#1539)

میں بٹے ہوئے تھے اور تمہارے افتراق کی یہ حالت باہمی عداوت تک پہنچ گئی تھی اور تم ایک دوسرے کے دشمن بن گئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر تمہارے مابین فساد ہوتے، قتل و غارت ہوتی، خون خرابہ ہوتا، طویل مدت تک انسانوں کے طبقات کے درمیان جنگ رہتی اور نسلیں اس جنگ کی نذر ہوجاتیں۔

اگر اجتماعیت سے جدا ہوکر مسلمان تنہا ہوجائے گا تو اسے شیطانی حملے سے کوئی نہیں بچاسکتا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری کو بھیڑیا کھاجاتا ہے۔

اس افتراق، انتشار اور نفرت و عداوت کی کیفیت کو قرآن مجید نے حالت کفر کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی صورت میں تم پر نعمت نازل فرمائی اور حضور ﷺ کو تمہارے اندر مبعوث فرمایا:

فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ.

اللہ نے حضور اکرم ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کردی، نفرت کو الفت میں بدل دیا اور افتراق کو اتحاد میں بدل دیا۔ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا اور تم جو ایک دوسرے کے دشمن تھے، عداوت کو اخوت میں بدل کر بھائی بھائی بن گئے۔

آقا ﷺ کی بعثت اور آمد کے فیض اور نتیجے میں جو امت وجود میں آئی قرآن مجید نے اس کی حالت کو اتحاد، وحدت و اخوت سے تعبیر کیا جبکہ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے جو حالت تھی اس کو کفر، انتشار، افتراق اور عداوت کے ساتھ تعبیر کیا۔

اس پورے پیغام کو بیان کرنے کے بعد آخر پر ارشاد فرمایا کہ اب مسلمانو سنو!

وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ.

’’اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں اس کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے، اور انہی لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے‘‘۔ (آل عمران:۱۰۶)

جس نعمت نبوت محمدی ﷺ، نعمت رسالت محمدی ﷺ، نعمت ہدایت قرآن نے تمہاری نفرتوں کو محبتوں سے اور تمہارے تفرقوں کو وحدت سے بدل دیا ہے اس نعمت کو پالینے کے بعد خبردار! دوبارہ ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوجانا، پھر نہ پھوٹنا اور ہدایت کی واضح نشانیاں آجانے کے بعد اختلافات کی نذر نہ ہوجانا۔ پھر قرآن مجید نے سورۃ حجرات میں یہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ. (الحجرات:۱۰)

’’بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سوتم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے‘‘۔

پس اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو باہمی بھائی چارہ اور اخوت کے رشتے میں منسلک کیا ہے کہ اگر تمہارے درمیان اختلاف یا افتراق ہو تو اصلاح، موافقت، باہمی مودّت اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو مٹایا کرو اور مٹا کر وحدت کی منزل کو پایا کرو۔

قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں موجود انہی احکامات کی تعلیم حضور نبی اکرم ﷺ نے جابجا امت مسلمہ کو احادیث طیبہ کے ذریعہ بھی دی۔ حضور اکرم ﷺ نے امت کو جہاں وحدت کا درس دیا وہاں حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ جڑے رہیں۔

☆ حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْن

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: الفتن، باب: كيف الأمر إذا لم تكن جماعة، ٦/٢٥٩٥، الرقم: ٦٦٧٣)

مسلمان کی جو بڑی اور اکثریتی جماعت ہے اس کے ساتھ جڑے رہو چونکہ اسی جڑے رہنے میں تمہاری بقاء، خیر، سلامتی اور عافیت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ.

مسلمانو! تمہارے اوپر واجب ہے کہ تم اجتماعیت کا ساتھ دو، مسلمانوں کی جو بڑی جماعت ہے اس کے ساتھ جڑے رہو اور تفرقہ سے ہمیشہ بچو۔ کیوں؟ اس لئے کہ

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الاثْنَيْنِ أَبْعَدُ.

اگر مسلمان تنہا و اکیلا رہ جائے تو شیطان کے قریب ہونا بڑا آسان ہوجاتا ہے اور اگر مسلمان جڑ جائیں، ایک ہوجائیں تو دو کے قریب شیطان کا جانا قدرے مشکل ہوجاتا ہے۔ جتنا زیادہ عدد ہوجائے شیطان کا ان کے قریب جانا مشکل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس اگر مسلمان بکھرے رہیں تو ایک ایک کو گمراہ کرنا شیطان کے لئے آسان ہوتا ہے اور اگر مسلمان متحد ہوکر ایک اجتماعی وحدت میں منسلک ہوجائیں تو ان سب کو گمراہ کرنا شیطان کے لئے مشکل ہوجاتا ہے۔ پھر آقا ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ.

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب: الفتن، باب: ما جاء في لزوم الجماعة، ٤/٤٦٥، الرقم: ٢١٦٥)

جو شخص چاہتا ہے کہ جنت کا وسط یعنی جنت کے اعلیٰ درجات تک جا پہنچے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ امت کی اجتماعیت کے ساتھ جڑ جائے۔ امت کا اجتماعیت کے ساتھ آپس میں جڑے رہنے سے ان کے ایمان کی بھی حفاظت ہوگی، عمل کی بھی حفاظت ہوگی، اخلاق کی بھی حفاظت ہوگی اور جملہ ظاہری، باطنی فوائد و مفادات کی بھی حفاظت ہوگی۔

☆ معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ.

شیطان انسانوں کے لئے بھیڑیا کی مانند ہے اسی طرح جیسے بکریوں کے ریوڑ کے لئے بھیڑیا ہوتا ہے، شیطان انسانوں کے ریوڑ کے لئے بھیڑیا ہے۔ پھر فرمایا:

يَأْخُذُ الشَّاةَ الْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ. فَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ وَالْمَسْجِدِ

(أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ٥/٢٣٣، الرقم: ٢١٩٢٨، وعبد الرزاق في المصنف، ١/٥٢١، الرقم: ١٩٩٧)

شیطان اسی طرح اجتماعیت سے الگ ہوکر تنہا رہنے والے مسلمان کو پکڑ کر کھا جاتا ہے، گمراہ کردیتا ہے، برباد کردیتا ہے جس طرح بھیڑیئے کو تنہا تنہا بکریاں مل جائیں تو انہیں بھیڑیا اچک کر لے جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی اگر الگ مل جائے تو شیطان اسے گمراہ کردیتا ہے۔

گمراہی پر مجتمع نہ ہونا، قیامت تک شرک سے محفوظ رہنا اور اصلاح احوال امت کیلئے ہر صدی میں مجدد کی آمد امت محمدیہ ﷺ کے ایسے تین شرف و امتیازات ہیں جو کسی اور امت کو نصیب نہیں ہوئے۔

لہذا تم پر لازم ہے کہ بکری کی طرح نہ ہوجاؤ جو اپنے ریوڑ سے جدا ہوکر دور کنارے پر کھڑی ہوتی ہے اور پھر اسے بھیڑیئے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ مسلمان اگر اجتماعیت سے جدا ہوکر تنہا ہوجائے گا تو شیطان کے حملے سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔

پھر فرمایا: کہ تم ٹکڑوں اور گروہوں میں بٹ جانے سے بھی بچو۔ تمہارے اوپر جماعت کے ساتھ جڑ جانا لازم ہے، سواد اعظم کے ساتھ جڑ جانا لازم ہے اور مسجد کے ساتھ جڑ جانا لازم ہے کہ مسجد کی چار دیواری تمہارے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بنے گی۔

☆ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَالْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُمَا حَبْلُ اللّٰهِ الَّذِي أُمِرَ بِهِ.

اے مسلمانو! تم پر اللہ اور رسول کی اطاعت واجب ہے اسی طرح اللہ اور رسول کی اطاعت کے تحت تمام مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا واجب ہے چونکہ جماعت کے ساتھ متصل رہنا اللہ تعالیٰ کی وہ رسی ہے جو تمہیں تفرقہ کی صورت میں نقصان سے بچاتی ہے اور پھر فرمایا:

وَأَنَّ مَا تَكْرَهُوْنَ فِي الْجَمَاعَةِ خَيْرٌ مِمَّا تُحِبُّوْنَ فِي الْفُرْقَةِ.

(الطبراني في المعجم الكبير، ٩/١٩٨، الرقم: ٨٩٧٢)

جب تم تنہا رہتے ہو تو اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہو، تمہاری آزادی مطلق ہوتی ہے۔ Unchecked ہوتی ہے، Questionable نہیں ہوتی، جو چاہو کرتے ہو، تمہیں کوئی پوچھتا نہیں، تمہاری اتھارٹی Unconditional ہوتی ہے اور تم خوش ہوتے ہو کہ تم بڑی اتھارٹی رکھتے ہو لیکن جب تم ایک جماعت یا اجتماعیت سے منسلک ہوجاتے ہو تو تمہاری آزادی اتنی نہیں رہتی کہ جتنی انفرادی طور پر تمہیں حاصل تھی۔ سوعین ممکن ہے کہ تمہیں یہ بات ناپسند ہو کہ میں تنہا رہ کر جو آزاد تھا اور جو مرضی حاصل تھی اب ایک جماعت اور اجتماعیت کے نظم میں آنے کے بعد پابند ہوگیا ہوں، اب اتنی آزادی نہیں رہی۔ آقا ﷺ نے فرمایا کہ ممکن ہے تمہیں یہ نظمِ اجتماعی ناپسند ہو اور تنہائی کی آزادی زیادہ پسند ہو مگر اس ناپسند آزادی سے گھبرانا نہیں بلکہ خیر اور نفع اسی میں ہے۔

امتِ محمدی ﷺ کی تین اہم خصوصیات

تین شرف و امتیازات ایسے ہیں جو بطور خاص امتِ محمدی ﷺ کو نعلین مصطفیٰ ﷺ کے صدقہ میں عطا کئے گئے اور پہلے کسی امت کو نہیں ملے تھے۔

☆ ا۔ حضرت انس ابن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ.

(أخرجه ابن ماجة في السنن، كتاب: الفتن، باب: السواد الأعظم، ٤/١٣٠، الرقم: ٣٩٥٠)

''میری امت کبھی بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی''۔

یہ ضمانت کسی پیغمبر نے اپنی امت کو پہلے نہیں دی تھی یہ شرف صرف امتِ محمدی ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ قیامت تک کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ گویا حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ میری امت کی اکثریت کو جب کسی عقیدے، عمل، طریقہ اور شعار پر جمع ہوتے دیکھو تو سمجھ لینا کہ اسی اجتماعیت میں ہدایت کا راستہ ہے۔ اللہ نے امت کی اجتماعیت کو گمراہی سے بچایا ہے اور اگر امت میں پھوٹ پڑ جائے گی تو اللہ رب العزت کی حفاظت کی

ضمانت اس پر نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا شرف جو اپنی امت کو حضور ﷺ نے عطا فرمایا اس کا اظہار صحیح مسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے شہداء احد کے قبرستان میں اُن پر فاتحہ پڑھی اور طویل خطاب میں خوشخبریاں دینے کے بعد فرمایا کہ لوگو! اب شرک کبھی پلٹ کر میری امت میں نہیں آئے گا۔ میں دنیا سے خوف سے بے نیاز ہوکر جارہا ہوں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

جو لوگ امت محمدی ﷺ کی اکثریت پر شرک کا طعنہ دیں یا شرک کا خیال کریں گویا انہوں نے آقا ﷺ کے فرمان کو رد کردیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت دنیا داری میں مبتلا تو ہوسکتی ہے، دنیاوی مفادات میں ایک دوسرے کے گلے تو کاٹ سکتی ہے یہ بدنصیبی ہوگی مگر جس شرک کی جڑیں میں کاٹ کر جارہا ہوں وہ اب میری امت میں نہیں آئے گا۔ پس آقا ﷺ کی امت مشرک نہیں ہوسکتی۔ حضور ﷺ کی امت کو کسی بھی اعتبار سے مشرک تصور کرنا آقا ﷺ کی اس ضمانت کو گویا رد کرنا ہے۔

۳۔ امت محمدیہ ﷺ کو جو تیسرا شرف دیا اس کا پس منظر یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ بگاڑ آئیں گے، دین کی تعلیمات، اخلاق، افکار، عقائد میں بگاڑ آئے گا۔ بگاڑ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آتے رہیں گے چونکہ حضور ﷺ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، کتاب نہیں آئے گی، کوئی وحی نہیں آئے گی، کوئی نبوت و رسالت کا سلسلہ نہیں ہوگا۔ مگر قیامت تک ہر صدی کے ابتداء میں دین کی مٹی ہوئی قدروں اور احیاء دین کے لئے مجدد آئے گا اور اس مجدد کے ذریعے دین کی مٹی ہوئی قدروں کو زندہ کیا جائے گا، عقائد میں جو خرابیاں آئیں گی ان کی اصلاح کی جائے گی، اخلاق، اعمال، احوال کی اصلاح کی جائے گی۔ حتی کہ تاجدار کائنات ﷺ کی ذات کی نسبت اور تعلق میں جو کمزوری آرہی ہوگی مجدد اس ٹوٹے ہوئے تعلق کو بھی دوبارہ قائم کرے گا۔ پس ہر سو سال بعد دین اسلام کی تعلیمات میں در آنے والی خرابیوں اور کمزوریوں کو دور کرے گا اور امت کے مصطفیٰ ﷺ سے ٹوٹے ہوئے عشق، محبت اور غلامی کے تعلق کو مضبوط تر کرے گا۔ مجدد دین کا یہ سلسلہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد تک جاری رہے گا۔

> **اجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہونے سے ہی ایمان، اخلاق، اعمال اور احوال کی حفاظت ممکن ہے۔ نیز اس سے جملہ ظاہری باطنی مفادات کی حفاظت بھی میسر آتی ہے۔**

پہلے جب بگاڑ آتا تو ان کی اصلاح کے لئے ایک پیغمبر کے بعد دوسرے پیغمبر تشریف لائے اور سوسائٹی میں موجود بگاڑ کی اصلاح کردیتے مگر جب آقا ﷺ کی بعثت ہوئی تو نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہوگیا۔ برائیوں، خرابیوں اور اخلاق و عقائد کے باب میں آنے والے نقائص کو دور کرنے کے لئے نبوت و رسالت کا بدل اللہ نے حضور ﷺ کی امت کے لئے مجدد کی صورت میں رکھ دیا۔ اب قیامت تک پہلی امتوں کے جو کام انبیاء کرتے تھے امت محمدی ﷺ کا وہ کام آپ ﷺ کی امت کے مجدد کرتے رہیں گے۔

پس جس امت کا اتنا بڑا شرف ہو چکا ہے کہ اس

امت کی اجتماعیت و اکثریت کو سنبھالنے والی جماعت کے ساتھ منسلک و وابستہ ہوا جائے۔ وہ جماعت خواہ سرزمین ہند میں ہو، خواہ پاکستان، خواہ وہ سرزمین عرب و عجم میں ہو، دنیا میں جہاں مسلمانوں کی اجتماعیت دیکھو، سواد اعظم دیکھو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے اجتماعیت سے جڑ کر رہیں۔ جڑیں رہیں گے تو ایمان ان کی نسلوں میں جائے گا، کٹے رہیں گے تو شیطان اچک کر لے جائے گا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دنیا کچھ نہیں

جو موجیں بڑی بڑی کشتیوں کو ڈبو دیتی ہیں اور جہازوں کو ہلا دیتی ہیں، طوفان بپا کرتی ہے یہ اگر اکٹھی ہیں تو ان کی طاقت کے ساتھ جہاز الٹتے ہیں اگر وہ موج ایک ایک ہوجائے اور سمندر سے باہر نکل جائے تو پانی بن کر بکھر جاتی ہے اور اس کی حیثیت نہیں رہتی۔ یہ ایک نظام قدرت و فطرت ہے اس لئے آقا ﷺ نے اجتماعیت کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا۔

یہ ممکن نہیں کہ پوری امت اور کل مسلمان ایک جماعت میں جمع ہوجائیں۔ میں پوری دنیا میں سفر کرتا ہوں لیکن شرق تا غرب مسلمانوں کو یہ کبھی نہیں کہا کہ تم منہاج القرآن میں شامل ہوجاؤ کہ منہاج القرآن ہی ایک واحد جماعت ہے جو تمہارے ایمان اور عقیدہ کو بچائے گی، آپ میرے اگر ہزار خطبات کو بھی سنیں تو میں نے اس التزام سے کہ منہاج القرآن میں شامل نہیں ہوگے تو تمہارا ایمان اور عقیدہ نہیں بچے گا اور صرف اسی میں شامل ہونے سے بچے گا، یہ کلمہ میری زندگی کے تیس سال میں کہیں آپ نے نہیں سنا۔ میں پوری دنیا میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اجتماعیت چھوڑ کر تنہا نہ رہو۔ اجتماعیت اور جماعت کے ساتھ جڑے رہو کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ تنہا رہو گے تو تم نہ اپنا، نہ اپنی اولاد کا عقیدہ بچا سکو گے اور نہ اپنے مفادات کی حفاظت کرسکو گے اور نہ خیر میسر ہوگی۔ اس صورتِ حال میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس جماعت کے ساتھ جڑیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقل و دانش سے کام لو، جو جماعتیں دستیاب ہوں ان کو دیکھ لو، جہاں دین و ایمان، عقیدہ اور دین کے معاملات کی سب سے زیادہ بہتری کی امید نظر آئے تو اس سے جڑ جاؤ۔ یہ نصیحت میری ہمیشہ ہوتی ہے کہ بکھر جائیں گے تو کاٹ دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي (أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ) عَلَى ضَلَالَةٍ،

اللہ پاک اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور گمراہی پر جمع اس لئے نہ ہوں گے کہ **يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ،** اللہ کی حفاظت کا ہاتھ ہمیشہ جماعت کے اوپر ہوتا ہے۔

آقا ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ ایک ایک بندے پر ہوتا ہے اور نہ تنہا تنہا ٹکڑوں پر ہوتا ہے بلکہ اللہ کی حفاظت کا ہاتھ ہمیشہ جماعت پر ہوتا ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ جماعت کیا اور کون سی ہے فرمایا:

وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب: الفتن عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء في لزوم الجماعة، ٤/٤٦٦، الرقم: ٢١٦٧)

جو سب سے اکثریتی جماعت ہو اس کو سواد اعظم کہتے ہیں، اس کے ساتھ جڑ جاؤ۔ جو اس سے ایک ایک کر کے الگ الگ ہوا وہ جہنم میں جائے گا۔ گویا آقا ﷺ نے سوادِ اعظم کی تعریف کردی پھر جماعت اور

اللہ تعالیٰ مخلوق کا اُسکی عبادت کرنا، کسی کو اُسکے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا اور مسلمانوں کا اجتماعیت کے ساتھ وابستہ رہنے کے عمل کو پسند فرماتا ہے۔

اکثریت کی مزید وضاحت حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس روایت سے ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اثْـنَـانِ خَيْـرٌ مِـنْ وَاحِـدٍ، ایک طرف دو اور دوسری طرف ایک ہو تو ایک سے دو کا جمع ہونا بہتر ہے۔ وَثَــلَاثَةٌ خَيْـرٌ مِنِ اثْنَيْنِ، تین ہوں تو وہ دو سے بہتر ہیں وَأَرْبَعَةٌ خَيْـرٌ مِن ثَـلَاثَة چار ہوں تو وہ تین سے بہتر ہیں تین مثالیں دے کر اکثریت کا جب بیان کردیا تو فرمایا: فَعَلَيْـكُـمْ بِـالْجَمَاعَةِ، اس کو جماعت کہتے ہیں۔ اس کو لازم پکڑو اس کے ساتھ جڑے رہو۔ فَإِنَّ اللهَ لَـنْ يَجْمَعَ أُمَّـتِـي إِلَّا عَـلَـى هُـدًى. اللہ تعالیٰ میری امت کو سوائے ہدایت کے گمراہی پہ جمع نہیں ہونے دے گا۔

(أحمد بن حنبل في المسند ٥/١٤٥، الرقم: ٢١١٩٠)

سیدنا علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الإِسْلَامَ ثَـلَاثُ أَثَافِي لوگو! اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ اس سے اتحاد اور جماعت کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔ فرمایا: الإِيْـمَـانُ وَالـصَّلَاةُ وَالْـجَـمَـاعَةُ. ۱۔ایمان ۔۲۔نماز قائم کرنا۔ ۳۔جماعت کے ساتھ جڑے رہنا۔

(أبوداود فى السنن، كتاب: السنة، باب: في قتل الخوارج، ٤: ٢٤١، الرقم: ٤٧٥٨،)

جماعت کے ساتھ جڑے رہنا سے مراد صرف نماز باجماعت نہیں، یہ بھی اسی تصور کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ اکیلے نماز پڑھیں تو عبادت تب بھی ہو رہی ہے اور جماعت کے ساتھ پڑھیں تو تب بھی وہی عبادت ہے۔ پس یہاں جماعت کے ساتھ جڑے رہنے سے مراد اجتماعیت کی طرف اشارہ ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَـلَاثًا .وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا:

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں اور تین چیزیں ناپسند فرماتے ہیں۔ جن کو پسند کیا۔ وہ یہ ہیں:

۱. فَيَرْضَى لَـكُمْ أَنْ تَعْبُدُوْهُ کہ اللہ چاہتا ہے تم اس کی عبادت کیا کرو۔

۲. وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۳. وَأَنْ تَـعْتَـصِـمُـوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَلَا تَـفَـرَّقُوا اللہ کی رسی کو اجتماعیت کے ساتھ تھام لو اور ٹکڑوں ٹکڑوں میں نہ بٹو۔

تین چیزیں جو اللہ کو ناپسند ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ وَيَكْرَهُ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ قیل وقال کرنا، بحث وتمحیص کرنا، تکرار کرنا چھوٹی چھوٹی بات پر جھگڑا کرنا جس سے پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اللہ اس رویے کو ناپسند کرتا ہے۔ وسعت قلب، برداشت اور ایک دوسرے کو سننے کا مادہ پیدا ہونا چاہئے۔

۲۔ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ اور زیادہ سوال کرنے کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔

۳۔ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ.

اور مال کو بے جا ضائع کرنا اللہ ناپسند کرتا ہے۔

(مسلم في الصحيح، كتاب: الأقضية، باب: النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، ٣/١٣٤٠، الرقم: ١٧١٥،)

(جاری ہے)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں
تلقینِ میت کے احکامات

محمد فاروق رانا☆

گذشتہ کچھ عرصہ سے منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے بارے ہمیشہ منفی پراپیگنڈہ کرنے والے ''احباب'' انٹرنیٹ پر تلقینِ میت کے حوالے سے شیخ الاسلام کے حدیث مبارکہ کی اتباع میں اپنے ایک فوت شدہ کارکن کو تلقینِ توحید و رسالت کرنے کے عمل کو غلط رنگ دے کر بے جا تنقید کررہے ہیں۔ مخالفین شیخ الاسلام سے نظریاتی اختلاف اور تعصب کی بناء پر فوت شدہ کو کلمہ طیبہ اور قبر میں ہونے والے سوالات کے جوابات کی تلقین کرنے کے عمل کو شریعت کی رو سے نہ صرف ناجائز بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خدا جانے کیا کیا نام دے رہے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ''تلقینِ میت'' کے حوالے سے قرآن و حدیث اور محدثین کے اقوال کو بیان کیا جارہا ہے۔

تلقینِ میت سے مراد ہے کہ:

☆ مسلمان کو مرنے سے قبل حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ/کلمہ شہادت کی تلقین کرنا

☆ مسلمان کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہوکر کلمہ طیبہ/ کلمہ شہادت اور قبر میں پوچھے جانے والے سوالات کی تلقین کرنا۔

دونوں طرح کی تلقین کے بارے میں اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ و تابعین میں واضح نظائر ملتی ہیں اور یہ اُمور شرعاً ثابت شدہ اور باعثِ فضیلت ہیں۔ ذیل میں اِس بابت وارِد ہونے والی چند روایات بطور نمونہ پیش کریں گے:

ا۔ حالتِ نزع میں تلقین۔۔فرامینِ رسول ﷺ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ.

''اپنے مرنے والوں کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کی تلقین کرو۔''

١. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب تلقين الموتى لا إله إلا الله، ٢: ٦٣١، الرقم: ٩١٦)

٢. (جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في تلقين المريض عن الموت والدعاء له عنده، ٣: ٣٠٦، الرقم: ٩٧٦)

(امام ترمذی یہ حدیث روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، اُم سلمہ، عائشہ صدیقہ، جابر اور سعدی مریہ زوجۂ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔)

٣. (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب تلقين الميت، ٤: ٥، الرقم: ١٨٢٦)

☆ ڈپٹی ڈائریکٹر فریدِ ملّت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۴.(سنن النسائی بشرح السیوطی وحاشیة السندی، ٤: ٣٠٢)
۵. (سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی تلقین المیت لا إله إلا الله، ١: ٤٦٤، الرقم: ١٤٤٤)
۶. (سنن أبی داود، کتاب الجنائز، باب فی التلقین، ٣: ١٩٠، الرقم: ٣١١٧)
۷. (السنن الکبری للنسائی، کتاب الجنائز وتمنی الموت، باب تلقین المیت، ١: ٦٠١، الرقم: ١٩٥٣)
۸. (السنن الکبری للبیهقی، کتاب الجنائز، باب ما یستحب من تلقین المیت إذا حضر، ٣: ٣٨٣، الرقم: ٦٣٩٠)

(اسے امام مسلم نے الصحیح میں خالد بن مخلد کے طریق سے سلیمان سے روایت کیا ہے اور ابو حازم کے طریق سے ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اگلے نمبر ۶۳۹۱ پر بھی روایت کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے: ’’امام مسلم نے یہ حدیث الصحیح میں ابو بکر اور عثمان بن ابی شیبہ سے بھی روایت کی ہے۔)

۹. (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الجنائز، باب فی تلقین المیت، ٢: ٤٤٦، الرقم: ١٠٨٥٧)
۱۰. (ریاض الصالحین، کتاب عیادة المریض، باب تلقین المختصر لا إله إلا الله، ١: ١٨٤، الرقم: ٩١٨)

حالت نزع میں درود وسلام پڑھنے کی تلقین

امام ابن ماجہ نے السنن کی کتاب الجنائز کے باب ما جاء فیما یقال عند المریض إذا حضر میں درج ذیل روایت بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت نزع میں میت کو درود شریف پڑھنے کی تلقین کی جائے تاکہ اس کے لیے جاں کنی کا مرحلہ سہل ہوجائے:

قَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ: دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَهُوَ يَمُوتُ، فَقُلْتُ: اقْرَأْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ السَّلَامَ.

’’محمد بن المنکدر کہتے ہیں: میں جابر بن عبد اللہ کی وفات کے وقت ان کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجو۔‘‘

بعد اَز تدفین تلقین۔۔۔ فرامینِ رسول ﷺ

ہم نے گزشتہ صفحات میں حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ تلقین کرنے کے حوالے سے کتب حدیث سے حوالہ جات پیش کیے۔ اگر ان روایات کے الفاظ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو ان سے بعد اَز تدفین تلقین کرنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن چوں کہ ائمہ کرام نے ان روایات کو قبل اَز مرگ تلقین پر محمول کیا ہے اِس لیے ہم نے ان روایات کو حالتِ نزع میں تلقین کرنے کے ذیل میں ہی درج کیا ہے۔

امام ابن عابدین شامی نے اس پر نہایت جامع تبصرہ کیا ہے:

أما عند أهل السنة فالحدیث أی: لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ محمول علی حقیقته، لأن الله تعالی یحییه علی ما جاء ت به الآثار. (رد المحتار، ٢: ١٩١)

’’اہل سنت و جماعت کے نزدیک حدیث مبارکہ - اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کرو - کو اس کے حقیقی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ تدفین کے بعد مردے میں زندگی لوٹا دیتا ہے اور اس پر واضح آثار موجود ہیں۔‘‘

یعنی لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تعمیل میں حالت نزع میں تلقین کی گئی تو یہ مجازی معنیٰ میں ہوگی اور مرنے کے بعد تلقین کی گئی تو یہ اِس حدیث کے حقیقی معنی پر عمل ہوگا۔ لہٰذا مجازی اور حقیقی دونوں معانی پر عمل کیا جائے گا کیوں کہ اِسی میں میت کا فائدہ ہے۔

ذیل میں ہم تلقین بعد اَز تدفین پر چند واضح روایات پیش کریں گے جس سے نفس مسئلہ کے بارے میں پیدا شدہ اِشکال دور ہوجائے گا اور امام ابن عابدین شامی

کے بیان کی تائید و مزید وضاحت بھی ہوجائے گی:

(۱) سنن ابن ماجہ

عبد اللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ.

''اپنے مردوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ کی تلقین کیا کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ (اسے زندہ لوگوں کے واسطے پڑھنا کیسا ہے)؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَجْوَدُ وَأَجْوَدُ. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في تلقين الميت لا إله إلا الله، ١: ٤٦٥، الرقم: ١٤٤٦)

''بہت ہی اچھا ہے، بہت ہی اچھا ہے۔''

اِس روایت کے الفاظ كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ سے ثابت ہو رہا ہے کہ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ سے مراد فوت شدگان ہیں یعنی حدیث مبارکہ میں بعد اَز وصال / تدفین تلقین کرنے کی ترغیب ہے۔ اگر روایت کو اِس معنی پر محمول نہیں کیا جائے گا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اِس وضاحتی سوال کی کیا توجیہ ہوگی؟ چوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ بعد اَز وصال تلقین کرنے کا حکم فرما رہے تھے، اِسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا کہ كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ یعنی اِسے زندہ لوگوں کے لیے پڑھنا کیسا ہوگا!

(۲) سنن نسائی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا هَلْكَاكُمْ قَوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب تلقين الميت، ٤: ٥، الرقم: ١٨٢٧)

''اپنے ہلاک ہوجانے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کرو۔''

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی

امام طبرانی المعجم الکبیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إذا مات أحد من إخوانكم، فنثرتم عليه التراب، فليقم رجل منكم عند رأسه، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يسمع، ولكن لا يجيب. ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يستوي جالسا، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يقول: أرشدنا رحمك الله، ولكن لا تشعرون. ثم ليقل: أذكر ما خرجت عليه من الدنيا، شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله، وأنك رضيت بالله ربا، وبمحمد نبيا، وبالإسلام دينا، وبالقرآن إماما. فإنه إذا فعل ذلك، أخذ منكر ونكير أحدهما بيد صاحبه، ثم يقول له: أخرج بنا من عند هذا ما نصنع به، فقد لقن حجته، ولكن الله لقنه حجته دونهم. قال رجل: يا رسول الله! فإن لم أعرف أمه؟ قال: انسبه إلى حواء. (المعجم الكبير للطبراني، ٨: ٢٤٩، الرقم: ٧٩٧٩ـ مجمع الزوائد للهيثمي، ٢: ٣٢٤؛ ٣: ٤٥ـ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، ١٥: ٢٥٦-٢٥٧، الرقم: ٤٢٤٠٦)

''جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت ہوجائے اور اسے قبر میں دفن کرچکو تو تم میں سے ایک آدمی اُس کے سرہانے کھڑا ہوجائے اور اسے مخاطب کرکے کہے: اے فلاں ابن فلانہ! بے شک وہ مدفون سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا۔ پھر دوبارہ مردے کو مخاطب کرتے ہوئے کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس آواز پر وہ بیٹھ جاتا ہے۔

پھر کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس پر وہ مردہ کہتا ہے: اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری رہنمائی کرو۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہے: اُس اَمر کو یاد کرو جس پر تم دنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے تھے اور وہ یہ کہ اِس اَمر کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں؛ اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ جب یہ سارا عمل کیا جاتا ہے تو منکر نکیر میں سے کوئی ایک دوسرے فرشتے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور کہتا ہے: مجھے اِس کے پاس سے لے چلو، ہم اس کے ساتھ کوئی عمل نہیں کریں گے کیونکہ اس کو اِس کی حجت تلقین کر دی گئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُس کی حجت تلقین کی نہ کہ ان لوگوں نے۔ پھر ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں اس کی ماں کو نہ جانتا ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اُسے اماں حواء کی طرف منسوب کرو۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو 'تلخیص الحبیر (۲:۳۵-۳۶)' میں بیان کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس کی اسناد صالح ہیں، جب کہ ضیاء مقدسی نے اسے احکام میں قوی قرار دیا ہے اور اس روایت کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں۔

ابن ملقن انصاری نے 'خلاصة البدر المنیر (۱:۲۷۴-۲۷۵)' میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے صرف ایک راوی سعید بن عبد اللہ کو میں نہیں جانتا، لیکن اس روایت کے کثیر شواہد ہیں جو اسے تقویت بہم پہنچاتے ہیں۔

(۴) امام سیوطی

امام جلال الدین سیوطی الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور میں سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ - ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ - اللہ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی) - کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وأخرج سعيد بن منصور عن راشد بن سعد وضمرة بن حبيب وحكيم بن عمير قالوا: إذا سوى على الميت قبره وانصرف الناس عنه، كان يستحب أن يقال للميت عند قبره: يا فلان! قل لا إله إلا الله، ثلاث مرات، يا فلان! قل: ربى الله وديني الإسلام ونبيي محمد. ثم ينصرف.

''سعید بن منصور نے راشد بن سعد، ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جائے اور لوگ واپس جانے لگیں تو مستحب ہے کہ ان میں سے ایک شخص میت کی قبر پر کھڑا ہوکر کہے: اے فلاں! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ تین بار کہے۔ پھر کہے: اے فلاں! کہہ دو کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ اس کے بعد وہ شخص بھی واپس چلا جائے۔''

امام جلال الدین سیوطی کا سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ کے تفسیر میں اس روایت کو بیان کرنا ہی اس اَمر کی دلیل ہے کہ قبر پر کھڑے ہوکر تلقین کرنے سے مومنین کو منکر نکیر کے سوالات کے جواب دینے میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور یہ مستحب عمل ہے اور یہی اِس آیت مبارکہ میں بیان کیے گئے الفاظ کا مفہوم ہے۔

اس کے ساتھ امام سیوطی نے درج ذیل ایک اور روایت بھی بیان کی ہے:

وأخرج ابن منده عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ قال: إذا مت فدفنتموني، فليقم إنسان عند رأسي، فليقل: ياصدى بن عجلان! اذكر ما كنت عليه في الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله.

’’ابن مندہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میرے مرنے کے بعد جب مجھے دفنا چکو تو ایک انسان میری قبر کے سرہانے کھڑا ہوکر کہے: اے صدی بن عجلان! یاد کرو اُس عقیدے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی اس بات کی گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔‘‘

یہی روایت امام علاؤ الدین ہندی کنز العمال میں ذرا تفصیل کے ساتھ لائے ہیں۔

(۵) کنز العمال للہندی

عن سعيد الأموى، قال: شهدت أبا أمامة – وهو فى النزاع – فقال لى: يا سعيد! إذا أنا مت فافعلوا بى كما أمرنا رسول الله ﷺ قال لنا رسول الله ﷺ: إذا مات أحد من إخوانكم فسويتم عليه التراب فليقم رجل منكم عند رأسه، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يسمع ولكنه لا يجيب، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يستوى جالسا، ثم ليقل يا فلان ابن فلانة! فإنه يقول: أرشدنا – رحمك الله – ثم ليقل: اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله وأنك رضيت بالله ربا وبمحمد نبيا وبالإسلام دينا وبالقرآن إماما، فإنه إذا فعل ذلك أخذ منكر ونكير أحدهما بيد صاحبه ثم يقول له: أخرج بنا من عند هذا ما نصنع به قد لقن حجته فيكون الله حجيجه دونهما فقال له رجل: يا رسول الله! فإن لم أعرف أمه؟ قال: انسبه إلى حواء. (كنز العمال، ١٥: ٣١١-٣١٢، الرقم: ٤٢٩٣٤)

’’سعید اُموی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ کے پاس حاضر ہوا درآں حالیکہ وہ حالتِ نزع میں تھے۔ انہوں نے مجھے فرمایا: اے سعید! جب میں فوت ہوجاؤں تو میرے ساتھ وہی کچھ کرنا جس کا حکم حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں فرمایا ہے۔ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت ہوجائے اور اسے قبر میں دفن کرچکو تو تم میں سے ایک آدمی اُس کے سرہانے کھڑا ہوجائے اور اسے مخاطب کرکے کہے: اے فلاں ابن فلانہ! (فلانہ مؤنث کا صیغہ ہے جس سے مراد ہے کہ اسے اُس کی ماں کی طرف منسوب کرکے پکارا جائے گا۔) بے شک وہ مدفون سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا۔ پھر دوبارہ مردے کو مخاطب کرتے ہوئے کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس آواز پر وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کہو: اے فلاں ابن فلانہ! اس پر وہ مردہ کہتا ہے: اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری رہنمائی کرو۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہے: اُس اَمر کو یاد کرو جس پر تم دنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے تھے اور وہ یہ کہ اِس اَمر کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں؛ اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ جب یہ سارا عمل کیا جاتا ہے تو منکر نکیر میں سے کوئی ایک دوسرے فرشتے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور کہتا ہے: مجھے اِس کے پاس سے لے چلو، ہم اس کے ساتھ کوئی عمل نہیں کریں گے کیونکہ اس کو اِس کی حجت تلقین کر دی گئی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس کی حجت بیان کرنے والا ہوگا منکر نکیر کے علاوہ۔ پھر ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں اس کی ماں کو نہ جانتا ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اُسے اماں حواء کی طرف منسوب کرو۔‘‘

اِمام ہندی کہتے ہیں کہ اِس روایت کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

(٦) ابن رجب الحنبلی

حافظ ابن رجب الحنبلی أهوال القبور وأحوال أهلها إلی النشور میں لکھتے ہیں:

حدثنی بعض إخوانی أن غانما جاء المعافی بن عمران بعد ما دفن، فسمعه وهو یلقن فی قبره، وهو یقول: لا إله إلا الله. فیقول المعافی: لا إله إلا الله.

’’ہمارے بھائیوں میں سے ایک نے روایت کیا ہے کہ غانم، معافی بن عمران کے پاس اُس وقت آئے جب انہیں دفن کیا جا چکا تھا۔ پس اُسے سنا گیا جب کہ اُسے قبر میں تلقین کی جارہی تھی۔ تلقین کرنے والا کہہ رہا تھا: لا إله إلا الله۔ اور معافی بن عمران بھی جواباً کہہ رہے تھے: لا إله إلا الله۔‘‘

علاوہ ازیں ابن رجب الحنبلی نے کئی اور روایات بھی بیان کی ہیں جن سے مردے کو دفن کرنے کے بعد تلقین کیا جانا ثابت ہوتا ہے۔ نیز امام ابن ابی الدنیا اور امام سیوطی نے اِس موضوع پر متعدد روایات اپنی کتب میں ذکر کی ہیں۔

(٧) ابن عابدین شامی

امام شامیؒ فرماتے ہیں:

قد روی عن النبی ﷺ أنه أمر بالتلقین بعد الدفن، فیقول: یا فلان بن فلان! اذکر دینک الذی کنت علیه من شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمد رسول الله، وأن الجنة حق والنار حق، وأن البعث حق وأن الساعة آتیة لا ریب فیها، وان الله یبعث من فی القبور وأنک رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا، وبمحمد ﷺ نبیا وبالقرآن إماما وبالکعبة قبلة، وبالمؤمنین إخوانا.

(ابن عابدین شامی، رد المحتار، ٢: ١٩١)

’’حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تدفین کے بعد مردے کو تلقین کرو۔ تلقین کرنے والا میت کو یہ کہے: اے فلاں کے بیٹے! یاد کرو وہ دین جس پر تم دنیا میں تھے یعنی اِس اَمر کی گواہی کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جنت اور دوزخ کے ہونے اور قیامت کے قائم ہونے پر جس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو اٹھائے گا اور تم اللہ کو رب مانتے تھے، اسلام کو دین مانتے تھے، حضور ﷺ کو نبی اور رسول مانتے تھے، کعبہ کو قبلہ اور تمام مسلمانوں کو بھائی مانتے تھے۔‘‘

پھر فرماتے ہیں:

لا نهی عن التلقین بعد الدفن لأنه لا ضرر فیه، بل فیه نفع، فإن المیت یستأنس بالذکر علی ما ورد فیه الآثار.

’’تدفین کے بعد تلقین سے منع نہیں کیا جائے گا اِس لیے کہ اِس میں (یعنی مردے کو تلقین کرنے میں) کوئی حرج نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہے کیوں کہ میت ذِکرِ اِلٰہی سے مانوس ہوتی ہے جیسا کہ آثارِ صحابہ سے واضح ہے۔‘‘

(٨) امام ابو داؤد

امام ابو داؤد السنن کی کتاب الجنائز کے باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف میں ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ﷺ قَالَ: کَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ، وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ. فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ.

’’حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوجاتے تو وہاں کھڑے ہوکر فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو، کیونکہ اب اِس

سے سوالات ہوں گے۔‘‘

علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۹) ملا علی قاری

ملا علی قاری اپنی کتاب مرقاۃ المفاتیح (ج:۱؛ص: ۳۲۷) میں اِس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقال ابن حجر: وفيه إيماء إلى تلقين الميت بعد تمام دفنه وكيفيته مشهورة، وهو سنة على المعتمد من مذهبنا خلافاً لمن زعم أنه بدعة كيف. وفيه حديث صريح يعمل به في الفضائل اتفاقاً بل اعتضد بشواهد يرتقي بها إلى درجة الحسن.

’’حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ اِس روایت میں میت کو دفن کر چکنے کے بعد تلقین کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہمارے مذہبِ (اہل سنت و جماعت) کے مطابق یہ معتمد سنت ہے بخلاف اِس قول کے کہ یہ بدعت (سیئہ) ہے۔ اور اس ضمن میں واضح حدیث بھی موجود ہے جس پر فضائل کے باب میں بالاتفاق نہ صرف عمل کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے اتنے شواہد وتوابع ہیں جو اسے درجہ حسن تک پہنچا دیتے ہیں۔‘‘

خلاصہ کلام

دنیاوی زندگی ختم ہونے پر اِنسان کے لیے دو وقت بڑے خطرناک ہیں: ایک حالتِ نزع کا؛ دوسرا تدفین کے بعد قبر میں ہونے والے سوالات کا۔ اگر مرتے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کیا دھرا سب برباد گیا اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو اُخروی زندگی برباد ہوگئی۔ اِس لیے زندہ لوگوں کو چاہیے کہ ان کٹھن مراحل میں اپنے پیاروں کی بھرپور مدد کریں کہ مرتے وقت اس کے پاس کلمہ پڑھتے رہیں اور بعد از دفن بھی کلمہ پڑھتے رہیں تاکہ وہ اِس امتحان میں بھی کامیاب ہوجائے۔

آخر میں ہم صحیح بخاری میں مذکور روایت بیان کریں گے جس سے تلقین میت کے باب میں تمام اِشکالات اَز خود رفع ہوجائیں گے۔

صحیح بخاری (**كتاب المغازی، باب قتل أبی جهل**) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِاَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيدِ قُرَيْشٍ، فَقُذِفُوا فِي طَوِيٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيثٍ مُخْبِثٍ، وَكَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ اَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ. فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ، أَمَرَ بِرَاحِلَتِهِ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا، ثُمَّ مَشٰى وَاتَّبَعَهُ اَصْحَابُهُ، وَقَالُوا: مَا نُرٰى يَنْطَلِقُ اِلَّا لِبَعْضِ حَاجَتِهٖ حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ، فَجَعَلَ يُنَادِيهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ آبَائِهِمْ: يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ. فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُولُ مِنْهُمْ.

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے بدر کے روز کفارِ قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو ایک اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ ان گندے لوگوں کو ایک گندے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ آپ ﷺ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کسی قوم پر غلبہ حاصل ہوتا تو تین راتیں وہاں قیام فرماتے تھے۔ جب میدان بدر میں تیسرا روز آیا تو اپنی سواری تیار کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ کس دیا گیا، جب آپ ﷺ چل پڑے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے پیچھے چل دیے اور ان

حضرات کا بیان ہے کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کسی ضرورت کے تحت جا رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ اسی کنوئیں کی منڈیر پر جا پہنچے (جہاں کفارِ قریش کو پھینکا گیا تھا) اور ان لوگوں کے نام مع ولدیت لے کر انہیں مخاطب فرمانے لگے: اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا یہ بات تمہیں اچھی لگتی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے۔ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جس چیز کا وعدہ فرمایا تھا وہ ہمیں حاصل ہوگئی ہے۔ بتاؤ جس کا اس نے تمہارے لیے وعدہ کیا تھا وہ تمہیں ملی ہے یا نہیں؟ راوی کا بیان ہے کہ اس صورت حال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے تم اِن سے زیادہ نہیں سنتے۔“

صحیح بخاری اور دیگر متعدد کتب میں مذکور اِس روایت سے ثابت ہوجاتا ہے کہ دفن کرنے کے بعد اگر میت کو مخاطب کرنا بے سود ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ کبھی بھی کفار سے کلام نہ فرماتے۔ ان کفار کو وہی اَمر یاد دلایا گیا جس پر وہ اِس دنیا میں تھے، جب کہ بندۂ مومن کو اُس اَمر کی تذکیر کی جاتی ہے جس پر وہ دنیا میں ہوتا ہے یعنی امر توحید و رسالت۔ پس ثابت ہوجاتا ہے کہ مرنے کے بعد میت کو اُس کے عقائد کی تذکیر کرنا نہ صرف مستحب بلکہ ایک مسنون عمل ہے جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے بھی بیان کیا تھا۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا:

مرنے والے مرتے ہیں، لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اُس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

واللہ اعلم ورسولہ ﷺ

تنظیمات و کارکنان متوجہ ہوں!

قائد ڈے نمبر فروری 2012ء 2nd ایڈیشن کی اشاعت

قائد ڈے نمبر فروری 2012ء کی غیر معمولی پذیرائی اور اندرون و بیرون ملک سے مزید ڈیمانڈ پر اس خصوصی شمارے کا 2nd ایڈیشن شیخ الاسلام کے حالیہ دورہ بھارت کی رپورٹ کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس خصوصی شمارہ میں مذکور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی حقیقی اسلامی تعلیمات کے فروغ پر مبنی خدمات سے ہر سطح پر عوام الناس کو آگاہ کرنے کے لئے اسے ہر طبقہ زندگی کی نمائندہ شخصیات اور قومی و نجی تعلیمی اداروں تک پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

تمام تنظیمات و کارکنان کو اس حوالے سے اپنا کلیدی کردار ادا کرتے ہوئے اپنے علاقوں میں موجود ہر طبقہ زندگی کی نمایاں شخصیات، قومی و نجی تعلیمی اداروں، لائبریریز، علماء، مشائخ اور سکالرز تک اس خصوصی شمارہ کو پہنچانا ہوگا۔

اس شمارہ کی قیمت 100 روپے مقرر کی گئی ہے۔ آپ کو یہ شمارہ کتنی تعداد میں درکار ہے؟ اس بارے درج ذیل نمبرز پر فوری طور پر مطلع کریں تا کہ اس اہمیت کے حامل اس کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔

0300-8886334, 0305-4639396, 0300-8105740،042-111-140-140 Ext:128

ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات

ترجیحات کا تعین کرنا

قسط:10

شفاقت علی شیخ ☆

قارئین کے پسندیدہ اس سلسلہ وار مضمون میں امریکن رائٹر ”سٹیفن آر کووے“ کی تحریر Seven Habits of highly effective people کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔ اس مضمون کا یہ سلسلہ ماہنامہ منہاج القرآن میں جنوری 2011ء سے جاری ہے اور اب تک دو خصوصی عادات ”ذمہ داری قبول کرنا“ اور ”انجام پہ نظر رکھنا“ کو مختلف جہات سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات میں سے تیسری عادت ”ترجیحات کا تعین“ نذرِ قارئین ہے۔

” ترجیحات کا تعین کرنا“ کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات میں سے تیسری عادت ہے اور یہ عادت پہلی دو عادتوں ”ذمہ داری قبول کرنا“ اور ”انجام پر نظر رکھنا“ کی عملی تکمیل ہے ۔ یہاں آ کر تسخیر ذات کا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے ۔ تسخیرِ ذات، تسخیرِ کائنات کی اولین شرط اور بنیاد ہے۔ ہماری بڑی غلطی ہی یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسخر کیے بغیر کائنات کو مسخر کرنے کے سفر پر نکل پڑتے ہیں۔ خود کو تبدیل کیے بغیر ماحول اور معاشرے کو تبدیل کرنے کے لیے چل پڑتے ہیں۔ نتیجہ سوائے مایوسی اور ناکامی کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا معاشرے میں ایک بھرپور، فعال، موثر اور متحرک کردار ادا کرنے کے لیے پہلے ہمیں اپنے اندر مضبوطی، استحکام اور اثر انگیزی کی خصوصیت پیدا کرنا ہوگی۔ جس کے لیے ان تینوں عادتوں کو اپنی شخصیت اور کردار کا حصہ بنا لینا بہت ضروری ہے۔

گذشتہ اقساط میں بیان کی جانے والی دو عادات اور زیر نظر تیسری عادت ایک دوسری کے ساتھ اسی ترتیب کے ساتھ منسلک ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر کے اُس سے اگلی پر براہِ راست عمل نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح چھت پر جانے کے لیے زینہ بہ زینہ چڑھنا پڑتا ہے۔ آپ زینوں کو پھلانگ کر نہیں جا سکتے ۔ اسی طرح پہلی عادت بنیاد ہے اُسی کی بنا پر آپ دوسری عادت کی طرف آئیں گے۔ اور پھر دوسری سے تیسری کی طرف آئیں گے۔ اگر کسی بھی جگہ کسی عادت کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کی گئی تو خاطر خواہ نتائج کا برآمد ہونا مشکل ہوگا۔

ان عادات کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل نکات پر غور کریں۔

☆ پہلی عادت نے ہمیں بتایا کہ آپ اپنی زندگی کے معمار ہیں۔ دوسری نے بتایا کہ اپنی زندگی کا نقشہ خود بنائیں۔ تیسری عادت بتاتی ہے کہ نقشے کے مطابق تعمیر

☆ shafaqatalisheikh@yahoo.com

شروع کر دیں۔

☆ پہلی عادت نے بتایا کہ آپ اپنی زندگی کے ڈرائیور ہیں۔ دوسری عادت نے بتایا کہ اپنی منزل کا تعین کریں۔یعنی فیصلہ کریں کہ آپ نے کہاں جانا ہے اور اُس کے لیے راستے (Road Map) کا تعین کریں۔ تیسری عادت کا تقاضا ہے کہ اپنی منزل کی طرف چل پڑیں۔

☆ پہلی عادت نے بتایا کہ آپ اپنی زندگی کے پروگرامر ہیں ۔دوسری عادت نے بتایا کہ اپنا پروگرام بنائیں کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیا بننا چاہتے ہیں۔ تیسری عادت کا مطالبہ ہے کہ جو پروگرام آپ نے بنا لیا ہے اُسے چلانا شروع کریں۔

تیسری عادت کو سمجھنے کے لیے مکان کی مثال پر غور کریں۔ پہلی عادت نے آپ کو بتایا کہ مکان بنانا چاہیے۔دوسری عادت نے آپ کے ذہن میں مکان کا ایک نقشہ تشکیل دیا کہ مکان اس طرح کا بننا چاہیے۔تیسری عادت یہ کہہ رہی ہے کہ وہ مکان جو ابھی تک آپ کے ذہن میں ہے یا نقشے کی صورت میں کاغذ پر منتقل ہو چکا ہے اب اُس کو ٹھوس اور عملی شکل میں معرضِ وجود میں آنا چاہیے۔اور اُس کے لیے طریقہ کار تجویز کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ترجیحات کا تعین کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ آپ اپنے خوابوں کی عملی تعبیر کو نہیں پا سکیں گے۔

ترجیحات کے تعین سے کیا مراد ہے؟ مکان کے نقشے نے ہمیں یہ تو بتا دیا کہ یہاں بنیادیں ہوں گی، یہاں دیوار ہو گی، یہاں چھت ہو گی وغیرہ۔لیکن وہ یہ نہیں بتا رہا کہ پہلے کس چیز کو تعمیر کرنا ہے ۔ یہ عادت نمبر 3 ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ پہلے بنیادیں بنائیں گے، پھر دیواریں بنائیں گے اور پھر چھت ڈالیں گے وغیرہ۔اس عادت کا کہنا ہے کہ بنیادوں کو بنائے بغیر مضبوط اور پائیدار دیواریں نہیں بنائی جا سکتیں اور دیواروں کو تعمیر کیے بغیر چھت ڈالنا ممکن نہیں ہے۔تو جو کام پہلے ہوتا ہے اُسے پہلے کرتے ہیں اور جو دوسرے نمبر پر ہوتا ہے اُسے اُس کی باری پر کرتے ہیں اور اس طرح قدم بقدم (Step by Step) آگے بڑھتے ہیں ۔اس کو کہتے ہیں’’ ترجیحات کا تعین کرنا‘‘۔’’ترجیحات کے تعین‘‘ کا آسان مطلب یہ ہے کہ جو کام پہلے ہے اُسے پہلے کیا جائے اور جو بعد میں ہے اُسے بعد میں کیا جائے۔

اللہ رب العزت نے ساری کائنات کے نظام کو ایک خاص نظم و ضبط کا پابند بنایا ہے ۔یہاں واقعات ایک خاص ترتیب سے رونما ہوتے ہیں اور معاملات مرحلہ وار پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ ہر کام کے اندر ایک خاص ترتیب (Sequence) ہوتی ہے ۔کسی بھی کام کو خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس ترتیب کو ملحوظِ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسی کے مطابق چلیں گے تو منزل تک پہنچ جائیں گے اور اگر ترتیب اُلٹ دی تو محنت کرتے رہیں گے مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جس طرح ایک طالب علم پرائمری کے بغیر میٹرک ،میٹرک کے بغیر انٹر،انٹر کے بغیر بی۔اے اور بی اے کے بغیر ایم اے کرنا چاہے تو یہ اُس کی خام خیالی ہو گی جو حقیقت کا روپ نہیں دھا ر سکے گی۔ درست طریقہ یہی ہے کہ ان تمام مقاصد کو مرحلہ وار حاصل کیا جائے۔یہی قانون زندگی کے ہر معاملے میں پایا جاتا ہے ۔ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم اس قانون کو سمجھیں اور ہر معاملے میں ترجیحات کا تعین کریں۔

عادت نمبر 3 کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ زندگی مختصر ہے اور کام بے شمار ہیں۔ اگر ہم بغیر سوچے سمجھے ہر کام کو کرنا شروع کر دیں تو ہماری قیمتی زندگی کا بیشتر حصہ فضول، بے کار اور تیسرے درجے کے گھٹیا کاموں میں گزر جائے گا اور اعلیٰ درجے کے کاموں کو کرنے کے لیے وقت بہت کم بچے گا ۔جس کے نتیجے میں ہم کامیابی کے کسی بڑے درجے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ

اہم اور بامقصد کاموں میں صرف کرنا ہوگا۔اور غیر اہم اور ادنٰی درجے کے کاموں سے حتی الوسع اپنا دامن بچانا ہوگا۔جیسا کہ جرمن کا مشہور شاعر ادیب اور فلاسفر گوئٹے کہتا ہے کہ ’’اہم ترین کاموں کوفضول ترین باتوں کے رحم وکرم پرنہیں چھوڑا جاسکتا‘‘

گویا تیسری عادت کومختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے ۔

ا:۔ کاموں کواُن کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دینا۔

۲:۔ اہم کاموں کی خاطر غیر اہم کاموں کوترک کرنا۔

تیسری عادت کا بطورِ خاص تعلق وقت کی تنظیم (Management) کے ساتھ ہے ۔لہٰذا ہمارے لیے وقت کی اہمیت سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے ۔جب تک ہم وقت کی قدروقیمت کونہیں پہنچانیں گے تب تک وقت سے بھرپور استفادہ کی فکر بھی دامنگیر نہیں ہوگی۔اور عادت نمبر3پر خوش دلی سے عمل پیرا ہونا بھی مشکل ہوگا۔چنانچہ انسانی زندگی میں وقت کی اہمیت پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

وقت کی اہمیت

وقت اللہ جل مجدہ کی ایک ایسی نعمت ہے جو امیر وغریب، عالم و جاہل اور چھوٹے بڑے کو یکساں ملی ہوئی ہے۔غور سے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی وقت کے علاوہ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ انسان کو جتنی بھی زندگی کی مہلت یہاں ملی ہوئی ہے وہ ساری کی ساری وقت کی اکائیوں سے ہی عبارت ہے جہاں وقت ختم ہو جاتا ہے، وہاں ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔ وقت کو اس کائنات کی روح بھی کہہ لیا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔ ہر دور کے علماء و عقلاء اس بات پر متفق رہے ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہیے، وقت ہے۔ لمحاتِ زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بہت بڑی غنیمت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی بھی دولت سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات وغیرہ وقت کی برابری نہیں کر سکتے۔ دنیا کی ہر دولت کو کھونے کے بعد بھی اس بات کا امکان رہتا ہے کہ انسان اُسے دوبارہ پالے بلکہ بسا اوقات اُس سے بھی زیادہ حاصل کرسکتا ہے۔لیکن وقت ایک ایسی دولت ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اس کا ایک لمحہ کسی قیمت پر واپس نہیں لاسکتا۔

انسان دنیا میں جتنی بھی کامیابیاں حاصل کرتا ہے اور جو بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے وہ سب کے سب وقت کے بہترین استعمال کے ہی مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ وقت سے اچھے طریقے سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں موجد بن گئے، فلاسفر بن گئے ، دانش ور بن گئے اور دین و دنیا کے مالک بن گئے۔ اس کے برعکس جتنے مفلوک الحال اور قابلِ ترس لوگ دکھائی دیتے ہیں یہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں وقت کو ضائع کیا ہوتا ہے۔ گویا وقت کو ضائع کرنا صرف وقت کو ضائع کرنا ہی نہیں ہے بلکہ خود اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو ضائع کرنا اور اپنے مستقبل کو تباہ کرنا ہے۔ لہٰذا دین ، دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں، کامرانیوں، سعادتوں اور بھلائیوں کا دارومدار صرف اور صرف وقت کے بہترین استعمال پر منحصر ہے۔ دنیا میں جس قدر کامیاب و کامران ہستیاں گذری ہیں اُن کی کامیابی اور ناموری کا راز صرف وقت کی قدر اور اُس کا صحیح استعمال تھا۔ وقت ایک ایسی زمین ہے کہ اگر اس میں سعی کامل کی جائے تو یہ پھل دیتی ہے۔ بے کار چھوڑ دی جائے تو خار دار جھاڑیاں اُگاتی ہے۔ یا پھر وقت خام مسالے کی مانند ہے جس سے جو چاہیں بنایا جا سکتا ہے اور اگر اسے یونہی چھوڑ دیا جائے تو ضائع ہو جائے گا۔ یا پھر وقت کی مثال چلچلاتی دھوپ میں رکھے ہوئے برف کے اُس بلاک کی ہے جس سے، اگر فائدہ اُٹھا لیا جائے تو ٹھیک ورنہ اُس نے تو بہرحال پگھل ہی جانا ہے۔

وقت کی اس اہمیت کے پیشِ نظر قرآن و حدیث میں بھی جا بجا وقت کی قدر و قیمت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

وَالعَصرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ . (العصر:۱۔۲)

''زمانے کی قسم، انسان گھاٹے میں ہے''۔

یہاں انسان کے حوالے سے ایک بات کہنی تھی اُس سے پہلے زمانے کی قسم کھائی گئی اور زمانہ وقت سے ہی عبارت ہے۔ اسی طرح مختلف مقامات پر مختلف اوقات مثلاً صبح ، دوپہر اور رات کے اوقات کی قسمیں کھائی گئی ہیں جو وقت کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بھی مختلف اسالیب اور پیرائے میں وقت کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

نِعمَتَانِ مَغْبُونٌ فِیهِمَا کَثِیرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب لا عیش إلا عیش الآخرة، ۵: ۲۳۵۷، رقم: ۶۰۴۹)

"دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں۔صحت اور فراغت"

اِغْتَنِم خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَکَ قَبْلَ هَرَمِکَ، وَصِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ، وَغِنَاءَکَ قَبْلَ فَقْرِکَ، وَفَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ، وَحَیَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ. (حاکم، المستدرک،۴: ۳۴۱، رقم: ۷۸۴۶)

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جان۔ زندگی کو موت سے پہلے، صحت کو مرض سے پہلے،فراغت کومشغولیت سے پہلے،جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور امارت کوغربت سے پہلے"

علامہ سیوطیؒ نے ''جمع الجوامع'' میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اُس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے۔

من استطاع ان یعمل خیرا فلیعمله فانی غیر مکرر علیکم ابد.

''جو شخص آج کوئی بھلائی کرسکتا ہے کر لے۔ آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا''

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہماری زندگی میں طلوع ہونے والا ہر دن منفرد ہوتا ہے اُس طرح کا دن نہ پہلے کبھی آیا ہوتا ہے اور نہ بعد میں کبھی آنا ہوتا ہے۔اگرچہ بظاہر دیکھنے میں دن ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت میں مختلف ہیں۔یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسے کسی کے پاس سو روپے کے بالکل نئے نوٹوں کا ایک پیکٹ ہو تو اُس میں سے نکلنے والا ہر نوٹ بظاہر ایک جیسا دکھائی دے گا مگر حقیقت میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہوگا ۔ایسے ہی ہماری زندگی کا کوئی دن اور کوئی لمحہ پلٹ کر نہیں آتا ہے ۔ جو ایک دفعہ گزر گیا سو وہ گزر گیا۔لہٰذا ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اتنی انمول اور نایاب دولت کو ہم کہاں صرف کررہے ہیں۔

☆ سیدنا صدیقِ اکبرؓ دعا کیا کرتے تھے:

الھم لا تدعنا فی غمرة ولا تاخذنا علیٰ غرة ولا تجعلنا من الغافلین

''اے اللہ! ہمیں شدت میں نہ چھوڑنا اور ہمیں غفلت کی حالت میں نہ پکڑنا اور ہمیں غافل لوگوں میں سے نہ بنا دینا''

☆ سیدنا عمر فاروقؓ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی:

الھم انا نسئلک صلاح الساعات والبرکة فی الاوقات

''اے اللہ! ہم آپ سے زندگی کی ساعات کی بہتری اور اپنے اوقات میں برکت کا سوال کرتے ہیں۔''

☆ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے:

الایام صحائف اعمارکم فخلد وھا صالح اعمالکم

''یہ ایام تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں اچھے اعمال سے ان کو دوام بخشو۔

☆ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

یا ابن آدم انما انت ایام فاذا ذھب یوم ھب بعضک

''اے ابن آدم! تو ایام ہی کا مجموعہ ہے۔ پس جب ایک دن گزر جائے تو یوں سمجھ کہ تیرا ایک حصہ گزر گیا۔''

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے:

''میں اُس دن سے زیادہ کسی چیز پر نادم نہیں ہوتا جو میری عمر سے کم ہو جائے اور اس میں میرے عمل کا اضافہ نہ ہو سکے۔''

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے:

''دن رات کی گردش آپ کی عمر کم کر رہی ہے۔ پھر آپ عمل میں کیوں سست ہیں۔''

☆ چھٹی صدی کے مشہور عالم علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنے صاحبزادے کے لیے ایک نصیحت نامہ ''لفتة الکبدفی نصیحة الولد'' کے نام سے لکھا اُس میں وقت کی اہمیت اور عمر عزیز کی قدرومنزلت کے حوالے سے جو کچھ انہوں نے کہا، اختصار کے پیشِ نظر صرف اُس کے ترجمے پر اکتفا کیا جاتا ہے فرماتے ہیں:

''بیٹے! زندگی کے دن چند گھنٹوں پر مشتمل ہیں اور گھنٹے چند گھڑیوں سے عبارت ہیں۔ زندگی کا ہر سانس گنجینہ ء ایزدی ہے۔ ایک ایک سانس کی قدر کرو کہ کہیں بغیر فائدے کے نہ گزرے تاکہ کل قیامت والے دن زندگی کا دفینہ خالی پا کر اشک ندامت نہ بہانے پڑیں۔ایک ایک لمحہ کا حساب کرو کہ کہاں صرف ہو رہا ہے اور اس کوشش میں رہو کہ ہر لمحہ کسی مفید کام میں صرف ہو۔ بے کار زندگی گزارنے سے بچو اور اپنے آپ کو کام کرنے کی عادت ڈالو تاکہ آگے چل کر وہ کچھ پا سکو جو تمہارے لیے باعثِ مسرت ہو''

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ذمہ کام بہت زیادہ ہیں۔اور وقت بہت مختصر۔انسان کا مستقبل موہوم ہے۔ اُس کا حال ثبات سے خالی ہے اور ماضی اُس کی قدرت سے باہر ہے جس نے حال سے فائدہ اٹھا لیا محنت و مشقت کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا اور جرأتِ رِندانہ سے کام لیتے ہوئے اپنی دنیا آپ پیدا کر لی اُس کے دامنِ نصیب میں تو بقدر ہمت و کوشش تھوڑا یا زیادہ آ جاتا ہے۔بصورتِ دیگر وقت گزر جاتا ہے اور انسان حسرت سے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے کیونکہ گردشِ زمانہ کی تنگی داماں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ نہ یہ کسی کی خاطر رکتی ہے اور نہ گذر جانے کے بعد واپس لائی جا سکتی ہے۔اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں بہت خوبصورتی سے وقت کی حقیقت ،اُس کی بے وفائی و بے نیازی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کے انتظار میں حال کو ضائع کرنے والی انسان کی روش کو بیان کیا ہے:

جو تھا نہیں ہے ، جو ہے، نہ ہوگا ،یہی اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اُسی کا مشتاق ہے زمانہ

مندرجہ بالا آیات و احادیثِ مبارکہ اور دیگر اقوال وقت کی اہمیت و افادیت کو کسی نہ کسی رنگ میں بیان کر رہے ہیں کہ انسان کو وقت کی قیمتی متاع سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہونا چاہئے اور وقت کی صورت میں ملی ہوئی مہلت کے ایک ایک لمحے سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے تاکہ وہ دنیاوآخرت کی بھلائیاں حاصل کر سکے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عادت نمبر 3 کو استعمال میں لاتے ہوئے ترجیحات کا تعین کس طرح کرنا ہے۔اس مقصد کے لیے ذیل میں دیا گیا چارٹ ہمیں مکمل رہنمائی دیتا ہے۔اس چارٹ کو سمجھنے اور اس کے مطابق وقت کے دانشمندانہ استعمال میں ہی کامیاب زندگی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس کے برعکس اسے نہ سمجھنے یا اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں کامیابی کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

وقت کی تنظیم کا چارٹ

	فوری (Urgent)	غیر فوری (Not Urgent)
اہم Important	I ☆ بحران سے دو چار کام ☆ شدید دباؤ میں آئے ہوئے کام ☆ فوری حل طلب مسائل ☆ مقررہ تاریخ میں مکمل کئے جانے والے منصوبہ جات	II ☆ پرہیزی اور احتیاطی تدابیر ☆ تعلقات کی استواری ☆ نئے مواقع کی دریافت ☆ آئندہ کے حوالے سے منصوبہ بندی ☆ صلاحیتوں کی تجدید (PC کی حفاظت)
غیر اہم Not Important	III ☆ بے وقت مداخلت ☆ غیر اہم فون کالز ☆ چھوٹے چھوٹے مسائل میں مشغولیت ☆ ہر دلعزیز کام	IV ☆ اوٹ پٹانگ سرگرمیاں ☆ فضول، ردی اور بے کار کاموں میں مشغولیت ☆ خوش گپیاں، ہنسی مذاق اور دیگر دلکش امور ☆ بے مقصد باتیں، ملاقاتیں اور فون کالز وغیرہ

درج بالا چارٹ کے اندر دو کالم ہیں جنہیں فوری اور غیر فوری کاموں کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے جب کہ دو قطاریں ہیں جو اہم اور غیر اہم کاموں کے عنوان پر مشتمل ہیں۔فوری نوعیت کے کاموں سے مراد وہ کام ہیں جو ہماری فوری توجہ چاہتے ہیں جنہیں نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو۔ جب کہ اہم کاموں سے مراد وہ کام ہیں جو ہماری زندگی پر دور رس اثرات کے حامل ہوتے ہیں اور زندگی میں ہمہ جہت ترقی کے لیے جن کو بجا لانا ضروری ہے۔

کالموں اور قطاروں کے اجتماع سے کل چار خانے بن رہے ہیں۔ہر خانے میں پائے جانے والے کاموں کی دو حیثیتیں ہیں۔ مثلاً فوری اور اہم، فوری اور غیر اہم وغیرہ ۔ہماری شب وروز کی زندگی میں جتنے بھی کام اور سرگرمیاں ہیں اُن سب کا تعلق انہی خانوں کے ساتھ ہے اور ہمارا ہر چھوٹا بڑا کام ان میں سے ہی کسی نہ کسی خانے میں آتا ہے۔ ان خانوں کی مختصر تشریح کچھ یوں ہے۔

پہلا خانہ (First Quadrant)

پہلے خانے میں جو کام آتے ہیں وہ اہم بھی ہیں اور فوری نوعیت کے حامل بھی ہیں ۔ ایک طرف تو زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کے لیے انہیں کرنا ضروری بھی ہے اور دوسری طرف اُن کاموں کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ فوری طور پر انجام دہی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اُن کو زیادہ عرصہ کے لیے ملتوی بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً گاڑی کے خراب ہوجانے پر اُس کی مرمت کروانا، بچے کے بیمار ہو جانے پر اُس کی دوائی کا بندوبست کرنا، امتحان سر پر آ جانے کی صورت میں اُن کی تیاری کرنا، کسی زیر تکمیل منصوبہ کی مقررہ تاریخ (Dead line) کا قریب آ جانا وغیرہ۔

دوسرا خانہ (Second Quadrant)

اس خانے میں آنے والے کام اہم تو ہیں لیکن فوری نہیں ہیں۔ ان کاموں کے ہماری زندگی پر بہت خوشگوار اثرات ہوتے ہیں لیکن یہ کام ایسے ہیں کہ فوری ادائیگی کا تقاضا نہیں کرتے ۔مثلاً مستقبل کو بہتر بنانے کے حوالے سے منصوبہ بندی ،زندگی کے معیار کو بلند کرنے کے

لیے نئے مواقع کی دریافت، اپنے متعلقین کے ساتھ خوشگوار تعلقات برقرار رکھنے کے لیے اور نئے تعلقات استوار کرنے کے لیے وقت نکالنا۔اپنی صلاحیتوں کی تجدید اور اُنہیں بہتر بنانے کے لیے نیز اپنے زیرِ استعمال اشیاء کی حفاظت کے لیے مناسبت تدابیر اپنانا(جسے متعلقہ خانے میں PC(rodaction Capability) کی حفاظت سے تعبیر کیا گیا ہے)وغیرہ۔

تیسرا خانہ (Third Quadrant)

تیسرا خانہ ایسے کاموں اور سرگرمیوں پر مشتمل ہے جو فوری نوعیت کے حامل ہیں تاہم وہ اہم نہیں ہیں کسی واقف کار کا اچانک ملنے آ جانا،فون کی گھنٹی کا بجنا وغیرہ جیسے کام ایسے ہیں جو ہماری فوری توجہ کے متقاضی ہیں اور عمل کا تقاضا کرتے ہیں لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ ان کاموں کا کوئی خاص مثبت نتیجہ بھی ہماری زندگی پر مرتب ہو۔

چوتھا خانہ (Fourth Quadrant)

اس خانے میں آنے والے کام وہ ہیں جو نہ تو اہم ہیں اور نہ ہی فوری نوعیت کے حامل ہیں کہ جن کو سر انجام دینا ہماری مجبوری ہو۔ یہ خانہ سارے کا سارا اُن مصروفیات سے عبارت ہے جن میں سراسر وقت کا ضیاع ہے۔مثلاً محض تفریحِ طبع کے لیے ناول اور افسانے پڑھنا،بغیر کسی خاص مقصد کے محض وقت گزاری کے لیے ٹی وی پروگرام دیکھتے رہنا۔دوست احباب کی محفل میں بیٹھ کر گھنٹوں فضول باتوں اور خوش گپیوں میں مشغول رہنا۔وغیرہ

اب ہم قدرے باریک بینی سے وقت کے ان چاروں حصوں کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان سے متعلقہ کاموں کے ہماری زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اوقاتِ کار کی تقسیم کے اثرات

پہلے خانہ میں موجود اہم اور فوری نوعیت کے حامل تمام کام بحرانی نوعیت کے ہوتے ہیں جن سے صرفِ نظر کرنے سے زندگی میں بے شمار الجھنیں، محرومیاں اور پریشانیاں پیدا ہوجاتی ہیں لہٰذا انہیں نظر انداز کرنا کسی طرح بھی ہمارے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ دوسری طرف یہ ہنگامی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں کہ انہیں التواء میں بھی نہیں ڈالا جا سکتا یہ ہمارے بالکل سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور فوری عمل کا تقاضا کرتے ہیں چنانچہ ان کی انجام دہی کے حوالے سے ہمارے اُوپر ایک دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں مجبوراً ان کی طرف توجہ دینا ہی پڑتی ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو ان کاموں کے پیدا ہونے کی ایک بہت بڑی وجہ ہماری ایک عادت ہے اور وہ ہے ’’کاموں کو ملتوی کرنا‘‘اکثر و بیشتر لوگ روزمرہ کی زندگی میں کئی اہم کاموں کو آخری وقت تک ٹالتے رہتے ہیں۔بالآخر وہی کام ایک بحرانی شکل اختیار کر کے انسان کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور اب اُنہیں مزید ٹالنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔مثلاً ایک طالب علم کے پاس کسی بھی کلاس کے آغاز میں اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ بڑے آرام اور سکون کے ساتھ اُس کی تیاری کر سکتا ہے لیکن امتحان کی تیاری کو وہ آج کل پر ٹالتا رہتا ہے یہاں تک کہ امتحان سر پر آ جاتا ہے اور اب اُس کے لیے امتحان کی تیاری ایک دردِ سر بن جاتی ہے اور وہ اُس حوالے سے شدید دباؤ کا شکار ہوتا ہے ۔اسی طرح ایک شخص جو گاڑی میں بروقت پٹرول نہیں ڈلواتا ہے تو بالآخر کسی نہ کسی جگہ پر گاڑی رک جاتی ہے اور وہ اُس کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیتی ہے۔ یونہی ایک شخص کے پاس ایک منصوبے کو مکمل کرنے کے لیے کافی وقت ہوتا ہے جس میں وہ ایک روٹین کے تحت کام کرتے ہوئے کامل سکون اور اطمینان سے اپنا کام مکمل کر سکتا ہے مگر ابتداء میں وہ سستی ، کاہلی اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے جس کی وجہ سے آخری تاریخ (Dead line) کے قریب آ جانے پر وقت کم ہوتا ہے اور کام زیادہ۔ یہ چیز ایک ہنگامی صورتِ حال کو پیدا کر دیتی ہے اور اُسے دباؤ کی حالت میں اپنا کام مکمل کرنا ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

حضرت شیخ الاسلام کی
زمرۂ خاصاں میں روحانی پذیرائی

علامہ محمد معراج الاسلام

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ محبت کی ایک حسین و دلکش علامت یہ ہے کہ پیارو محبت کا دعویدار امتی، حضور ﷺ کی امت کے ساتھ ٹوٹ کر پیار کرتا ہے اور ان کی خیر وفلاح چاہتا ہے۔ اس پیار اور خیر خواہی کی ایک حیرت انگیز مگر ایمان افروز مثال دنیائے محبت کا یہ زندہ جاوید واقعہ ہے، جوآج بھی دلوں کو گرماتا، ایمان کو تازہ کرتا اور ایثار وقربانی پر ابھارتا ہے۔

اس کا تعلق دنیائے روحانیت کی فرماں روا عظیم شخصیت حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس و اطہر کے ساتھ ہے۔ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے دادا پیر حضرت خواجہ شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل کریں چنانچہ اپنی اس خواہش اور شوق فراواں کا اظہار اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے کیا، آپ نے جب اپنے مرید کی بے قراری اور جذبۂ شوق کو دیکھا تو زیارت کرانے کی حامی بھرلی اور فرمایا کہ ہم اپنے پیرو مرشد سے اجازت لے دیں گے وہ جو وقت اور جگہ متعین کریں اس وقت جاکر ان کی زیارت کرلینا۔

حضرت خواجہ معین الدین بہت خوش ہوئے اور اس روزِ سعید کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ ایک روز خواجہ عثمان نے اپنے مرید باصفا حضرت خواجہ معین الدین کو یہ خوشخبری دی کہ تمہاری درخواست منظور ہوگئی ہے، میرے پیرومرشد حضرت خواجہ شریف زندنی نے حکم فرمایا ہے کہ معین الدین سے کہہ دیں کہ وہ کل فجر کے وقت میرے حجرے سے باہر آ کر کھڑا ہوجائے اور ہماری زیارت کرلے، اس وقت جوبھی ہماری زیارت کرے گا وہ جنتی ہوجائے گا مگر یہ ایک سربستہ راز ہے، اسے فاش نہ کرے، اگرمعین اسے فاش کرے گا تو دوزخی ہوجائے گا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے جب یہ خوشخبری سنی تو خوشی کی انتہاء نہ رہی، ملاقات و زیارت کی تیاری شروع کردی اور تیاری یہ کی کہ گلے میں ڈھول ڈال لیا اور گلی کوچوں میں یہ اعلان کرنا شروع کردیا کہ لوگو! فجر سے پہلے پہلے حضرت خواجہ شریف زندنی کے حجرہ مبارک کے سامنے اکٹھے ہوجاؤ اور جب وہ دروازہ کھولیں تو ان کی نگاہِ ایمان وعقیدت سے زیارت کرو، جو اس وقت ان کی زیارت کرے گا وہ جنتی ہوجائے گا۔ لوگوں نے جب یہ پیار اور رحمت بھرا ایمان افروز اعلان سنا تو وہ حجرہ مبارک کی طرف بھاگ پڑے اور فجر سے پہلے ہی وہاں ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے، ایک بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔

دریائے معرفت کے شناور، مردِ حق، حضرت

خواجہ شریف زندنی نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ صرف معین الدین ہی نہیں بلکہ انسانوں کا ایک جمِ غفیر آنکھوں میں عقیدت و محبت کی شمعیں فروزاں کئے کھڑا ہے اور محبت میں ڈوبی ہوئی پُر شوق نظروں سے انہیں دیکھ رہا ہے۔ حیراں رہ گئے، فرمایا: اے معین! ہم نے تو صرف تمہیں جنت اور زیارت کی بشارت دی تھی، تم نے ایک جہان اکٹھا کرلیا ہے، کیا افشاء راز کی سزا تمہیں یاد ہے؟

ہاتھ باندھ کر، نیاز مندی سے عرض کی: پیرو مرشد! اگر ایک معین الدین کے دوزخ میں جانے سے حضور ﷺ کی اتنی امت، جنت میں جاتی ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین کا یہ ایثار اور جذبہ خیر خواہی دیکھ کر، پیرومرشد کو وجد آ گیا، خوش ہوکر فرمایا: اے معین الدین! تو نے امت کا بھلا چاہا ہے جا تو بھی جنتی اور قیامت تک تیرے سلسلے کے ساتھ جووابستہ ہوگا وہ بھی جنتی۔

اس واقعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اہل محبت کے نہاں خانہ دل میں امت کی بھلائی، کامیابی، خوشی اور نجات کا جذبہ طبعی طور پر موجود ہوتا ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ جتنی زیادہ محبت ہو، اتنا ہی یہ جذبہ بھی شدید ہوتا ہے، شیدائے نبی، امت کی بے چینی، بے چارگی، دلوں کی ویرانی اور ان کی صفوں میں پھیلی ہوئی افسردگی اور انتشار کی کیفیت نہیں دیکھ سکتا۔ امت کی زبوں حالی اور پریشانی دیکھ کر وہ خوں کے آنسو روتا ہے۔ اس کا دل کڑھتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد ایسا روحانی انقلاب آئے جو امت کی قسمت بدل کر رکھ دے، سماجی برائیاں مٹ جائیں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو فروغ ملے، سماجی ناہمواریوں کا خاتمہ ہو اور امت ایک نئے دور میں داخل ہوجائے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے فرید و وحید والد گرامی حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے ہی بالغ نظر، نباضِ عصر اور امت کا بھلا چاہنے والے درد مند انسان اور سچے عاشق رسول تھے۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ والہانہ محبت کی وجہ سے ان کی شدید اور واحد خواہش یہ تھی کہ امت کی زبوں حالی اور ناکامی، صبح سے پہلے خوشحالی و ترقی میں بدل جائے، شامِ غم ڈھل جائے اور مصطفوی انقلاب کا سویرا طلوع ہوجائے، احیائے دین کا سنہری دور شروع ہو اور عالم اسلام ایک جھنڈے تلے جمع ہوجائے۔ چونکہ نباضِ عصر، قوموں کے عروج و زوال کے فلسفہ سے آگاہ، ماہر معالج جسمانی و روحانی، ایک دانا و بینا انسان تھے، اس لئے امت کے ذہنی و اخلاقی زوال وانحطاط کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے ایک ایسی تمنا اور دعاء کی جو واقعی امت کی تمام کمزوریوں کا مداوا اور ان کی پستی کا واحد علاج تھی۔

فرید الملت نے ایک ایسے وحید العصر اور یگانۂ روزگار فرزندِ ارجمند کی آرزو کی جو اپنی خداداد صلاحیتوں سے ملت کی کایا پلٹ کر رکھ دے اور ذہنوں میں عشقِ رسول کی ایسی تخم ریزی کرے کہ ہر فرد، ملت کے مقدر کا ستارہ بن جائے اور عشقِ نبی کا تمغہ سینے پہ سجائے، ہر برائی سے تائب ہوجائے۔ اللہ نے ان کی یہ پرخلوص دعا قبول فرمائی اور ان کی خواہش کے مطابق ایک ایسا ہونہار اور یگانہ روزگار فرزند عطا فرمایا، جو آج خود ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور عالم اسلام کو اپنی تابانیوں سے درخشاں کررہا ہے۔

اتنے عظیم کام کیلئے صاحبِ نسبت، روحانیت سے بہرہ ور اور اہل اللہ کا منظورِ نظر ہونا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر ایسے عظیم الشان کام کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن ہی نہیں اس لئے ہم جب حضرت شیخ الاسلام کی ساری زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے، انہیں

ہر مرحلہ پر اہل اللہ کی روحانی معیت حاصل رہی ہے اور وہ اہل ولایت کے منظور نظر ہیں، خواہ اہل ولایت زندہ ہوں یا اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔ ہم مرحلہ وار اس مقبولیت ومحبوبیت اور روحانی فیضان و عطا پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

۱۔حضرت داتا صاحب کا مہمان

حضرت شیخ الاسلام کے والد گرامی نے روحانی تربیت کے لئے بچپن ہی سے آپ کو راہ سلوک کا راہرو بنادیا تھا اور آپ اوائل عمر ہی میں ریاضت ومجاہدہ کے دلدادہ، خلوت کے شائق، تہجد گزار اور جادۂ حق کے مسافر بن چکے تھے اور حصول فیض کے لئے اولیاء کرام کے مزارات پہ جانا شروع کردیا تھا۔

اسی سلسلہ میں ہر جمعرات کو داتا حضور کے دربار پر حاضری دینا معمول تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب فیصل آباد گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم تھے مگر کالج لائف کے ساتھ معمولاتِ تصوف بھی جاری تھے، خود فرماتے ہیں کہ ایک جمعرات کو حاضر دربار تھا، رات بھیگ چکی تھی، اس زمانے میں بھاٹی گیٹ پر آدھی رات کو بھی دودھ فروش حلوائیوں کی دکانیں کھلی ہوتی تھیں، اس لئے دل میں خیال آیا کہ وہاں چل کر دودھ پی لینا چاہئے تاکہ طبیعت میں کچھ تازگی اور توانائی پیدا ہو پھر اسی جگہ واپس آجاؤں گا۔ ابھی میں اٹھنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی نے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا، مڑکر دیکھا تو ایک نورانی صورت بزرگ میرے پاس بیٹھے تھے، مجھے مخاطب کرکے کہا: آپ کو دودھ کی طلب ہے اگر کہیں تو میں یہیں لے آتا ہوں یا پھر میرے ساتھ چلیں، دکانیں کھلی ہیں، وہاں جاکر پی لیتے ہیں۔ میں حیران رہ گیا اور پوچھا: آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں دودھ پینا چاہتا ہوں۔

وہ بولے! مجھے حضرت داتا صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ بچہ ہمارا منظور نظر مہمان ہے، اس کا دودھ پینے کو جی چاہ رہا ہے تم اسکی میزبانی کرو۔

۲۔حضرت محدث اعظم کی نظرکرم

حضرت محدث اعظم پاکستان قبلہ محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فیضان نبوت سے بہرہ یافتہ، اپنے وقت کے بادشاہ اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ مرشد کامل اور پیر طریقت ہی نہیں اپنے دور کے متبحر عالم بھی تھے اور آپ کے علمی تبحر کا فیضان پورے پاکستان میں جاری تھا۔ آپ کے مرکزِ علمی جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد میں تشنگان علوم آتے اور سیراب ہوکر جاتے، اس چشمۂ فیض کے دوازے ہر خاص وعام کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

آج کل ایک خاص طبقہ اس خیال باطل میں گرفتار ہے کہ حضور ﷺ کے جلیل القدر فضائل وکمالات کھل کر بیان کرنا توحید کے منافی ہے، اس لئے انہیں بیان نہیں کرنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ اس طبقہ کے لوگ مقاماتِ نبوت کے منکر ہیں اور علوم و اختیاراتِ نبی کا انکار کرتے ہیں اور فضائل وخصوصیات کو بھی نہیں مانتے اور اب تو کھلے بندوں ان پر اس طرح تنقید کرنے لگ گئے ہیں جیسے جے پال کی روح ان میں حلول کرگئی ہو اور وہ ابوجہل یا ذوالخویصرہ کی بولی بول رہے ہوں۔

جب پاکستان بنا تو اس وقت اس باطل اور فاسد خیال کے لوگ خال خال تھے اور ابھی اُگ رہے تھے مگر انہوں نے ہر طرف اودھم مچایا ہوا تھا اور سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف تھے اور مناظروں کا چیلنج کرتے رہتے تھے باوجود یہ کہ انہیں ہر محفل میں ذلیل ہونا پڑتا تھا، مگر وہ ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے۔ ان دنوں علمِ غیب، اختیاراتِ نبوی اور نور و بشریت اور اسی قسم

کے دیگر موضوعات پر جھگڑے بڑے عام تھے۔ اکھاڑے سجتے اور مجمعے لگتے تھے اور مناظرین میدان میں اترتے اور دلائل و براہین سے اپنا موقف واضح کرتے تھے۔

حضرت محدث اعظم پاکستان نے ان کا ناطقہ بند کردیا، ہر موضوع پر ایسے دلائل دیئے کہ بولنے کے قابل نہ چھوڑا مگر جب آپ کا وصال ہوگیا تو وہ پھر بلوں سے باہر آگئے اور شیر ہوگئے اور دل میں یہ سوچا کہ اب ان کو جواب دینے والا کوئی نہیں ہے، اس لئے خوب اودھم مچایا اور جگہ جگہ اہل سنت وجماعت کے علماء کو مناظروں کا چیلنج کردیا۔ پرتاپ نگر فیصل آباد کی آبادی نئی نئی بنی تھی، وہاں کے باشندوں کو منکرین شان رسالت نے بہت پریشان کیا اور جلسہ کرکے اہل سنت کے عقائد پر تابڑ توڑ حملے کئے اور کہا: ہمارے یہ دلائل بڑے ہی مضبوط ہیں کوئی انہیں توڑ نہیں سکتا۔ اگر کوئی ہے تو اسے میدان میں لاؤ۔

اہل سنت وجماعت کے افراد بہت پریشان ہوئے اور دبستانِ محدثِ اعظم جھنگ بازار فیصل آباد پہنچے اور صورت حال سے آگاہ کیا اور حضرت محدث اعظم کے مزار پر بھی حاضری دی اور فاتحہ پڑھ کر گزارش کی کہ اس سلسلے میں ان کی معاونت کریں۔

حضرت محدثِ پاکستان رحمۃ اللہ علیہ ایک ذمہ دار شخص کو خواب میں ملے اور ارشاد فرمایا گورنمنٹ کالج میں ایک نوجوان پڑھتا ہے اس کا نام محمد طاہرالقادری ہے دیکھنے کو بچہ لگتا ہے لیکن فیضانِ نظر کا پروردہ ہے، تم میری طرف سے عطر، پھول اور رومال لے کر جاؤ اور اسے جواب دینے کے لئے آمادہ کرو، وہ ایسے جوابات دیگا کہ سب کے منہ بند ہوجائیں گے۔ خواب بڑا حیران کن اور عجیب تھا مگر چونکہ حسب حال اور موقعہ ومحل کے مطابق تھا اس لئے اس پر عمل درآمد میں ہچکچاہٹ کا کوئی جواز نظر نہ آیا اور وہ لوگ عطر، پھول اور رومال لے کر ایک یقین کے ساتھ گورنمنٹ کالج پہنچ گئے۔

طلبہ سے پتہ پوچھا تو انہوں نے ایک دبلے پتلے لڑکے کی طرف اشارہ کردیا، اس نام کا ایک نوعمر لڑکا دیکھ کر انہیں کچھ حوصلہ ہوا کیونکہ خواب کی ایک بات پوری ہوگئی تھی انہوں نے آگے بڑھ کر عطر، رومال اور پھول پیش کرکے مدعا بیان کیا، انہیں مزید حوصلہ ہوا جب طاہرالقادری نے کسی تذبذب کے بغیر سب کچھ قبول کرلیا اور کہا: آپ لوگ بے خوف وخطر جلسے کا اعلان اور انتظام کریں اور مناظرہ بازوں کو بتادیں کہ ان کا چیلنج منظور ہے۔ وہ جلسہ میں آئیں اور جوابی دلائل سنیں۔

معین وقت پر جب لوگ جلسہ گاہ میں اکٹھے ہوگئے تو مخالفین بھی پہنچ گئے۔ جب محمد طاہرالقادری وہاں پہنچے تو مخالفین شیر ہوگئے اور ہنسے کہ ایک ناتجربہ کار اور چھریرے بدن کا طالب علم ہمارے اعتراضات کے کیا جوابات دے گا۔ مگر جب محمد طاہرالقادری نے اپنے فصیح و بلیغ خطاب کا آغاز کیا تو خطاب کی اٹھان اور گفتگو کے تیور دیکھ کر ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

سب سے پہلے محمد طاہرالقادری کے روپ میں باکمال خطیب نے ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے اور انہیں تارِ عنکبوت کی طرح اڑا کر رکھ دیا۔ پھر اپنی موثر اور گرجدار آواز میں اپنے دلائل کی بارش کردی اور اپنا موقف اس شاندار انداز سے ثابت کیا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی، مخالفین کے چھکے چھوٹ گئے اور ندامت سے سر جھک گئے پھر انہیں کبھی جرات نہ ہوئی کہ اہل سنت وجماعت کو چیلنج کریں۔

۳۔ پیر خاکی شاہ صاحب کے شیخ الاسلام

ایک دفعہ مجذوب دانا، عارف باللہ حضرت پیر سید خاکی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے حضرت

غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو بتادوں کہ محمد طاہرالقادری، شیخ الاسلام ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو اسی لقب سے یاد کیا کرتے تھے اور بڑی محبت کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے اپنی محبت و شفقت کے اظہار کے لئے ایک سبز رنگ کا بڑا خوبصورت جھنڈا بنا کر بھیجا، جس پر گوٹے سے لکھا ہوا تھا:

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

حضرت شیخ الاسلام نے جب وہ جھنڈا وصول کیا تو راقم الحروف (محمد معراج الاسلام) کو فرمایا:

اب اگر میں یہ جھنڈا اپنے گھر میں لگاؤں تو اس میں ایک خودستائی سی پائی جاتی ہے، اس لئے یہ آپ لے لیں، چنانچہ وہ جھنڈا آپ نے از راہِ شفقت مجھے عنایت فرمادیا۔

۴۔ حضرت قدوۃ الاولیاء کی خصوصی توجہ

حوصلہ بلند ہو تو انسان طبعی طور پر مہم جو ہوتا ہے اور نئی دنیاؤں اور جہانوں کی تلاش میں رہتا ہے، لڑکپن میں یہ کیفیت پورے شباب پر ہوتی ہے اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والا جوان اپنی ہمت اور صوابدید کے مطابق کوئی انوکھی راہ منتخب کرتا ہے۔

جنات کی تسخیر اور ان سے کام لینے کی خواہش بڑی ہی سرور بخش ہے، زندگی کے کسی موڑ پر ابتدا میں یہ یہ خواہش، حضرت شیخ الاسلام کے دل میں بھی پیدا ہوگئی مگر چونکہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو بے ہنر اور نکمے ہوں اور ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو اس لئے مرشد کامل حضرت قدوۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے فوراً تنبیہ اور گرفت ہوئی اور خواب میں فرمایا گیا:

تم یہ کس راہ پر چل نکلے ہو، دل سے یہ واہیات خیال نکال دو تمہاری زندگی کا مقصد کچھ اور ہے یہ بازاری کھیل تماشا نہیں۔

۵۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے دربار میں پذیرائی

حضرت شیخ الاسلام کی ذات جس طرح اہل نظر اولیاءِ کرام کی خصوصی توجہ کا مرکز ہے، اسی طرح اصحابِ مزارات کی بھی منظور نظر ہے، وہ ہر مقام پر اپنے فیضان سے نوازتے اور خصوصی پذیرائی بخشتے ہیں۔

گذشتہ سال جب آپ ترکی تشریف لے گئے تو حضور ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بڑے ہی پرشکوہ اور وسیع وعریض مزار مبارک پر بھی حاضری دی۔

وہاں مزار مبارک تک رسائی ممکن نہیں، راہیں مقفل ہیں، جس خادم کے پاس چابیاں تھیں، اس نے تالے کھولنے سے صاف انکار کردیا، چونکہ بڑی امید کے ساتھ حاضرِ دربار ہوئے تھے اس لئے انکار سے صدمہ بھی پہنچا اور مایوسی بھی ہوئی واپسی کے لئے مڑے تو وہی خادم بھاگتا ہوا آیا اور حضرت شیخ الاسلام کو مخاطب کرکے گویا ہوا: آپ کے لئے اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ اس نے تالے کھول دیئے آپ مزار شریف کے اندر گئے اور دل کی تسکین حاصل کی۔

٦۔ مولانا روم اور حضرت آتش باز ولی

ترکی ہی کے سفر میں حضرت شیخ الاسلام استنبول سے قونیہ پہنچے، جہاں حضرت مولانا روم اور تھوڑے ہی فاصلے پر آپ کے پیرومرشد حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک بھی ہے۔ قونیہ کے علاقہ سے باہر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص اور خلیفہ حضرت آتش باز ولی کا مزار ہے، یہاں ان کے مزار پر عرصہ پچاس سال سے ایک خاتون مقیم ہیں، جن کا اسم گرامی صالحہ فاطمہ ہے۔ جب شیخ الاسلام حضرت آتش باز کے مزار کی زیارت کے

لئے پہنچے تو صالحہ فاطمہ پہلے ہی سے ان کی منتظر تھی اس نے بتایا کہ میں صبح ہی سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں کیونکہ مجھے بتادیا گیا تھا کہ آپ آرہے ہیں۔

۷۔ احمد العسیر ان کے ذریعے امام نبہانیؒ سے خصوصی شرفِ نسبت

ہمارے نبی کریم ﷺ جنات کے بھی رسول ہیں، چنانچہ ایک دفعہ جب آپ وادی نخلہ میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو جنات کا ایک گروہ ادھر سے گزرا جب انہوں نے تلاوت کی آواز سنی تو ٹھٹھک کر کھڑے ہوگئے اور غور سے قرآن پاک سننے لگے۔

قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور حضور ﷺ کی پیاری دلکش آواز و تلاوت نے انہیں بے حد متاثر کیا چنانچہ وہ حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے انہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوگیا۔ ان میں ایک جن کا نام قاضی شمھورش تھا، جس نے طویل ترین عمر پائی کیونکہ جنات کی عمریں بہت لمبی ہوتی ہیں وہ صدیوں تک جیتے ہیں اور موقعہ ملے یا ضرورت پڑے تو مسلمان انسانوں کی ہر قسم کی مدد اور دینی و روحانی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔

قاضی شمھورش ایک ایسے ہی صالح، معلم اور فیض رساں جن تھے، جنہوں نے حضور ﷺ کی احادیث روایت فرمائی ہیں جنہیں محدث کبیر حضرت عبدالباقی انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے **مناھل السلسلة فی الاحادیث المسلسلة**. میں بیان فرمایا ہے اور اہلِ علم انسانوں نے بھی ان سے کسب فیض کیا اور باقاعدہ سند کے ساتھ ان سے احادیث سن کر آگے روایت فرمائی ہیں۔

حضرت شمھورش جن صحابی کی روایت کردہ احادیث کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ چند راویوں اور واسطوں کے ساتھ حضور ﷺ تک پہنچ جاتی ہیں اور سند عالی کا درجہ پاتی ہیں۔ حدیث کی ایک خاص قسم حدیث مسلسل بالمصافحہ ہے۔ یہ وہ حدیث ہوتی ہے جسے حضور ﷺ نے صحابی کے سامنے بیان کرتے ہوئے اس سے مصافحہ بھی فرمایا ہو، آگے اس صحابی نے اپنے کسی شاگرد تابعی کو بیان کرتے ہوئے اس سے مصافحہ فرمایا ہو اور بیانِ حدیث کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا ہو۔

اس قسم کی حدیث کی فضیلت و انفرادیت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَافَحَنِیْ وَصَافَحَ مَنْ صَافَحَنِیْ اِلٰی اَرْبَعٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

’’جس نے مجھ سے مصافحہ کیا یا مجھ سے مصافحہ کرنے والے سے مصافحہ کیا (پھر تیسرے نے اس سے مصافحہ کیا، پھر چوتھے نے اس تیسرے سے مصافحہ کیا) وہ جنت میں جائے گا‘‘۔

ایک اور حدیث میں سات واسطوں کا ذکر ہے اور حضور آقائے کریم ﷺ کی بے پایاں و بے کنار رحمت کی آئینہ دار ایک اور حدیث میں قیامت تک مصافحہ کرنے والوں کا ذکر بھی ہے۔

اس تمہید کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، اس کی وجہ ایک نادر و نایاب، روحانی اعزاز ہے، جو بیروت کے سفر میں قائدِ تحریک حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کو ایک عظیم محدث اور پر نور روحانی شخصیت حضرت حسین بن احمد عسیران کی طرف سے عطا ہوا۔ اس عطائے ربانی کی نورانی کہانی اور تفصیل یہ ہے:

قائد محترم کیلئے ایک نادر ونایاب اعزاز

حضرت امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ محدث کبیر اور سرمایہ نازش علمی و روحانی شخصیت تھے، جنہوں نے مسلمانوں

کو بدعقیدگی اور منافقت سے بچانے کے لئے زبردست علمی کام کیا۔ اس انقلابی اور ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام کو ان کی ذات کے ساتھ بے حد عقیدت تھی، دلوں کو دلوں سے راہ ہوتی ہے، انہوں نے بھی شفقت فرمائی اور حضرت شیخ الاسلام کو خواب میں سند حدیث عطا فرمائی۔

حضرت قائد کی عقیدت اور بڑھ گئی اور دل میں پختہ عزم کرلیا کہ جب بھی لبنان جانا ہوا تو حضرت امام نبہانی کے مزار پر ضرور حاضری دیں گے اور اگر ان کا کوئی شاگرد ملا تو اس سے درس حدیث اور سند بھی لیں گے تاکہ خواب کی بات عالم بیداری میں بھی عملی روپ دھار لے۔ چنانچہ اس دفعہ جب آپ لبنان گئے تو پتہ چلا ان کے ایک معمر شاگرد ''حضرت حسین بن احمد عسیران'' بیروت کے پہاڑ میں مقیم ہیں، آپ بڑے عزم کے ساتھ وہاں پہنچے اور ان سے ملاقات کی، ماحول سے کچھ ایسا مترشح ہوا، جیسے روحوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا ہو اور صرف رسمی بات باقی ہو۔

حضرت شیخ الاسلام کی خواہش کے مطابق انہوں نے بڑی محبت سے سند حدیث عطا فرمائی اور بعد میں ایک ایسا نادر و نایاب اور روحانی تحفہ عطا فرمایا کہ روحانی اور ایمانی دنیا میں جس سے بڑھ کر کوئی تحفہ ہو ہی نہیں سکتا۔

بیش بہا علمی و روحانی تحفہ

حضرت حسین بن احمد عسیران مدظلہ کے پاس حدیث مسلسل بالمصافحہ کی ایک سند موجود تھی جو مندرجہ ذیل صرف چار واسطوں سے حضور ﷺ تک پہنچ جاتی تھی۔

۱۔ حضرت حسین بن احمد عسیران نے یہ حدیث اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ محمد عربی رحمۃ اللہ علیہ سے سنی اور ان سے مصافحہ کیا۔

۲۔ حضرت محمد عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اپنے استاذ گرامی محمد مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے سنی جن کا لقب ماء العینین ہے اور ان سے مصافحہ کیا۔

۳۔ انہوں نے یہ حدیث اپنے استاذ گرامی محمد الکحیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنی اور مصافحہ کیا۔

۴۔ انہوں نے یہ حدیث حضرت شمہورش جن صحابی سے سنی اور مصافحہ کیا۔

حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی روحانی شخصیت وعلمیت سے متاثر ہوکر، جناب حسین بن احمد عسیران نے کمال محبت و شفقت کے ساتھ، یہ حدیث طریقۂ محدثین کے مطابق ان کو عطا کی اور ان سے مصافحہ کیا۔

اس طرح حضرت شیخ الاسلام مصافحہ کرنے والے پانچویں راوی بن گئے اور یہ اعزاز پانے والوں کے لئے جو خوش خبری ہے وہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضور خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ کی طرح قائد محترم نے بھی امت کی خیر و فلاح اور برکت و سعادت کیلئے یہ فیض عام کردیا ہے اور عالم اسلام اور دنیائے مغرب میں جا کر جگہ جگہ اہل محبت سے مصافحہ کرکے انہیں یہ حدیث سنائی ہے تاکہ سب مغفرت کی بشارت کے دائرے میں آجائیں اور رحمت کے حصہ دار بن جائیں۔

قارئین متوجہ ہوں!

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے حالیہ دورہ بھارت کی تفصیلی رپورٹ آئندہ شمارہ ماہ مئی 2012ء میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

برصغیر پاک و ہند میں مکالمہ بین المذاہب اور
شیخ احمد دیدات کے ساتھ شیخ الاسلام کے طرزِ تبلیغ کا تقابلی جائزہ

ڈاکٹر نعیم مشتاق☆

ہمارے پاکستانی معاشرے کے کئی علمی و فکری شعبوں میں زوال کی طرح مکالمہ بین المذاہب کا موضوع بھی اجتہادی تحقیق سے محروم رہا۔ اس میدان میں اب اجتہاد کی جگہ اندھا دھند تقلید نے لے لی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اکثر و بیشتر الاماشاء اللہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے علماء کی تحقیق غلط فہمیوں کے ازالہ کی بجائے بذاتِ خود غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہے۔ روایتی مناظراتی سوچ رکھنے والے مبلغین اور طرزِ تبلیغ سامعین میں افہام و تفہیم پیدا کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور تعصب پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ بعض مخصوص حالات میں اسلام مخالف اور متعصّبانہ رویوں کا خاتمہ کرنے کے لئے جارحانہ طرزِ تبلیغ درست مگر اسے قرآن و سنت کا پسندیدہ طرزِ تبلیغ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قرآن ہمیں اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن کی تاکید کرتا ہے۔

بین المذاہب رواداری کے فروغ کے تناظر میں آج اگر ہم اسلام اور عیسائیت کے مابین مکالمہ پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں دونوں اطراف میں شدت نظر آتی ہے۔ نتیجتاً اس طرز عمل سے انسانیت محبت و امن کے بجائے نفرت و تعصب کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کی بات کریں تو آج ہمارا طرزِ تحریر، دلائل کی نوعیت اور موضوعات کا بار بار تکرار واضح کر رہا ہے کہ ہم آج بھی ذہنی سطح پر 1857ء کے دورِ مناظرات سے نہیں نکل سکے۔ جنگِ عظیم اول و دوئم، تحریک آزادی ہندوستان اور پھر تحریک پاکستان جیسی مصروفیات نے مسلم علماء کی مصروفیات کو مطالعہ اسلام اور مسیحیت کے دائرے سے باہر نکال دیا اور یوں اسلام اور مسیحیت کے میدان میں 1857ء کے علماء کی ہی چھوڑی ہوئی تصانیف ہی معیاری تصور کی جانے لگیں اور بعد میں کی جانے والی ہر تحقیق کی بنیاد کسی نہ کسی طرح انہی تصانیف پر ہے۔

سوچنے کی بات اب یہ ہے کہ اس وقت ہم پر کوئی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی حکومت مسلط نہیں ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اب ہم ایک آزاد مملکت میں سانس لے رہے ہیں اور اپنی تقدیر و قسمت کے خود مالک ہیں۔

☆ محترم ڈاکٹر نعیم مشتاق مکالمہ بین المذاہب بالخصوص مسیحی مسلم مکالمہ میں بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت ہیں۔ آپ پاکستان کے علاوہ امریکہ، برطانیہ، ترکی اور دیگر ممالک میں بین المذاہب مکالمہ پر سیمینارز اور کانفرنسز میں شرکت کر چکے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کئی مضامین اور کتب کے مصنف بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے 150 سے زائد وڈیو لیکچر یوٹیوب پر بھی بآسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔ nmushtaq786@gmail.com

لہٰذا اب وہ کونسی ضرورت اور مجبوری ہے کہ جس کی وجہ سے ہم موجودہ ماحول میں رہنے کی بجائے 1857ء کے مناظراتی ماحول میں رہنے کو ترجیح دے رہے ہیں؟

آیئے سب سے پہلے 1857ء کے اسلام اور عیسائیت کے مابین مناظراتی ماحول کا جائزہ لیں تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ ہم بدقسمتی سے آج بھی اسی ماحول میں رہ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ماحول میں قرآن و سنت کی روشنی میں عملی تبدیلی کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی کاوشوں سے کماحقہ آگاہی اس تاریخی پس منظر کو جاننے سے ہی ممکن ہوگی۔

بین المذاہب مناظراتی طرزِ عمل کا آغاز

1857ء کے زمانہ میں برطانوی دور حکومت میں حکومتی عہدیداروں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کی عوام الناس پر سیاسی فتح کے ساتھ ساتھ ان کو مذہبی سطح پر بھی فتح کیا جائے۔ چنانچہ ایسے پادریوں کو بیرون ممالک سے نہ صرف بلایا گیا بلکہ خصوصی حوصلہ افزائی بھی کی گئی جو خاص طور پر اسلام دشمنی میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتے تھے۔ بعد ازاں حکومت وقت کی سیاسی اورمعاشی سرپرستی ان کے غرور و تکبر میں مزید اضافے کا باعث بنی۔ ہندوستان میں پہلے سے موجود مسیحی فلاحی اداروں اور مبلغین نے اس سازش کو بھانپ لیا اور سمجھ گئے کہ حکومت کے اس عمل سے صدیوں سے مل جُل کر باہمی بھائی چارے کی فضا میں رہنے والے مسیحی مسلم افراد میں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے مل جُل کر بیرون ممالک سے خصوصی طور پر درآمد کیے جانے والے پادری حضرات کی غیراخلاقی طرزتبلیغ، شعائر اسلام اور بانی اسلام کی ذات پر رکیک حملوں کی مذمت کی اور اس طرز تبلیغ کو مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف جانا۔ مگر جب کسی سازش کو حکومت وقت کی ہر طرح سے سرپرستی حاصل ہوتو پھرحق کی آواز وقتی طور پر دب بھی جاتی ہے۔

برطانوی حکومت کی ہندوستان کے باسیوں کو سیاسی اثر و رسوخ کے زیراثر مسیحی کرنے کی یہ سازش نہ صرف مسلمان سمجھ چکے تھے بلکہ امن پسند مسیحی بھی اس صورت حال سے اس لیے پریشان تھے کہ یہ پادری حضرات مسیحیت کی بدنامی کا سبب بن رہے تھے۔ ایسے دردمند اور امن پسند مسیحی مُبلغین کسی بھی طرح مسیحیت کی تبلیغ کی بنیاد شعائر اسلام اور بانی اسلام کی توہین پر رکھنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ وہ تیار بھی کیسے ہوتے جبکہ یہ طریقۂ تبلیغ خود یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیمات محبت اور بُردباری کے خلاف تھا۔ چنانچہ پولس رسول ایک آئیڈیل مبلغ کی تصویر یوں کھینچتے ہیں:

''لیکن بیوقوفی اور نادانی کی حجتوں سے کنارہ کر کیونکہ تُو جانتا ہے کہ اِن سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اور مناسب نہیں کہ خداوند کا بندہ جھگڑا کرے بلکہ سب کے ساتھ نرمی کرے اور تعلیم دینے کے لائق اور بُردباد ہو۔ اور مخالفوں کو حلیمی سے تادیب کرے۔ شاید خُدا اُنہیں توبہ کی توفیق بخشے تاکہ وہ حق کو پہچانیں''۔ (۲ تیمتھیس ۲:۲۴)

1857ء کی جنگ آزادی کی چند ایک وجوہات میں سے ایک وجہ ان مسیحی مبلغین کی دل آزار اور توہین آمیز تبلیغ بھی تھی۔ چنانچہ سرسید احمد خان اپنی کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' میں لکھتے ہیں:

''ابتداء میں ہندوستان میں گفتگو مذہب کی بہت کم تھی روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور اس زمانہ میں بدرجہ کمال پہنچ گئی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ کو ان امور میں کچھ مداخلت نہ تھی مگر ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب معاملہ بموجب حکم اور بموجب اشارہ اور مرضی گورنمنٹ ہوتے ہیں۔ سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادری صاحبوں کو ہندوستان میں مقرر کیا ہے۔ گورنمنٹ سے پادری

صاحب تنخواہ پاتے ہیں گورنمنٹ اور حکام انگریزی ولایت اس ملک میں نوکر ہیں وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں۔ اکثر حکام اور افسران فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی بعضے صاحب اپنے ملازمین کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر ان پادری صاحب کا وعظ سنو اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ غرض اس بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عمل داری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا''۔
(سرسید احمد خان، اسباب بغاوت ہند، ص۴۱)

مشنری سکولوں اور دیہاتی مکتبوں (village schools) کی کارکردگی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مشنری سکول بہت جاری ہوئے اور اس میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی۔ سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں بعض اضلاع میں بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام ان اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو اس میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ امتحان مذہبی کتابوں میں لیا جاتا تھا اور طالب علموں سے جو لڑکے کم عمر ہوتے تھے، پوچھا جاتا کہ تمہارا خدا کون، تمہارا نجات دینے والا کون اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے۔ اس پر ان کو انعام ملتا تھا۔ ان سب باتوں سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھرتا جاتا تھا''۔ (ص۴۲)

مزید لکھتے ہیں:

''یہ سب خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ہو رہی تھیں کہ دفعتاً سنہ 1855ء میں پادری صاحبان ای ایڈمنڈ (E.Edmond) نے دارالامارہ کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیاں بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی۔ تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے، سڑک سے سب جگہ کی آمدورفت ایک ہوگئی۔ مذہب بھی ایک ہونا چاہیے، اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی ایک عیسائی مذہب ہو جاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان خطوط کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا، پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی، سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آ گیا''۔ (ایضاً، ص ۴۶)

انہی حالات کی مزید تصویر کشی کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''انیسویں صدی میں بالخصوص جنگِ آزادی کے بعد، ہندوستان میں اسلام کو تین خطرے درپیش تھے۔ پہلا خطرہ مشنریوں کی طرف سے تھا، جو اس امید میں تھے کہ سیاسی زوال کے ساتھ مسلمانوں کا مذہبی انحطاط بھی شروع ہو جائے گا اور توحید کے پیرو تثلیث قبول کرلیں گے۔

دوسرا خطرہ یورپ اور ہندوستان میں ان خیالات کا اظہار تھا جنہیں دیکھ کر بقول سرسید ''مرجانے کو جی چاہتا تھا''۔ یہ لوگ اسلام کو عقل کا دشمن، اخلاق کا دشمن اور انسانی ترقی کا مانع ثابت کررہے تھے۔ ان میں صرف مشنری نہ تھے بلکہ مغربی یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور وہ انگریز حاکم بھی شامل تھے، جنہیں خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت سونپ رکھی تھی۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق بدترین کتاب سر ولیم میور کی ہے، جو صوبہ جات متحدہ کے حاکم اعلیٰ تھے اور جنہوں نے اپنی کتاب کا خلاصہ دو فقروں میں لکھ دیا ہے: انسانیت کے دو سب سے بڑے دشمن، محمد کی تلوار اور محمد کا قرآن ہیں (نعوذ باللہ)۔

تیسرا بڑا خطرہ جو آئندہ اور بھی بڑھنے والا تھا، خود مسلمانوں کی دلوں میں طرح طرح کے شکوک وشبہات کا پیدا ہونا تھا۔ جن لوگوں کی نظروں سے مشنریوں اور دوسرے عیسائی مصنفوں یا آزاد خیال مغربی مفکروں کی کتابیں گزرتیں

وہ اسلام کے بعض مسائل کو جو عام علماء بیان کرتے تھے، خلافِ عقل سمجھنے لگے۔ اور یہ ڈر تھا کہ اگرچہ وہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار نہیں کریں گے لیکن مذہب سے ضرور بیگانہ ہو جائیں گے۔ سرسید خود لکھتے ہیں: ''اگر خدا مجھ کو ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقاتِ حقیقت پر نہ متوجہ ہوتا تو یقینی مذہب چھوڑ دیتا۔

تینوں خطروں میں سے جہاں تک مشنریوں کے خطرے کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ بنگلے کی چار دیواری میں بیٹھ کر کتابیں لکھنے سے نہ ہوسکتا تھا۔ یہ لوگ شاہراہوں اور چوکوں میں کھڑے ہوکر لیکچر دیتے۔ پمفلٹ تقسیم کرتے، مناظرے کی دعوتیں دیتے اور وہیں انہیں کوئی شکار مل جاتا۔ ضروری تھا کہ جو ہتھیار یہ لوگ استعمال کرتے تھے، انہی سے ان کا مقابلہ کیا جائے''۔ (شیخ محمد اکرام، موجِ کوثر، ص ۱۵۶-۱۵۷)

علامہ اقبالؒ کا بیان کردہ ایک دلچسپ واقعہ

انگریز مسیحی مشنریوں کی ذہنیت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ اپنا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب میں کیمبرج میں پڑھتا تھا تو تعطیلات کے زمانے میں کچھ دنوں کے لئے میں اپنے ایک ہم سبق انگریز دوست کے ہمراہ اس کے وطن چلا گیا۔ اس کا گھر سکاٹ لینڈ کے ایک دور افتادہ قصبے میں تھا۔ مجھے وہاں گئے چند روز ہوئے تھے کہ معلوم ہوا ایک مشنری، جو ہندوستان سے آئے ہیں، آج شام قصبے کے اسکول میں لیکچر دیں گے اور بتائیں گے کہ ہندوستان میں مسیحیت کو کس قدر فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ میں اور میرے میزبان دونوں لیکچر سننے کے لئے پہنچے۔ سامعین میں عورتیں اور مرد کافی تعداد میں تھے۔ مشنری نے بتایا کہ ہندوستان میں تیس کروڑ انسان آباد ہیں، لیکن ان لوگوں کو انسان کہنا جائز نہیں۔ عادات و خصائل اور بود و باش کے اعتبار سے یہ لوگ انسانوں سے بہت پست اور حیوانوں سے کچھ اوپر ہیں۔ ہم نے سالہا سال کی جدوجہد سے ان حیوان نما انسانوں کو تھوڑی بہت تہذیب سے آشنا کیا ہے۔ لیکن کام وسیع اور اہم ہے۔ آپ ہمارے مشن کو دل کھول کر چندہ دیجئے تا کہ اس عظیم الشان مہم میں، جو ہم نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے جاری کر رکھی ہے، زیادہ کامیابی ہو۔ یہ کہہ کر مشنری نے میجک لینٹرن سے سامنے لٹکے ہوئے پردے پر ہندوستانیوں کی تصویریں دکھانا شروع کیں۔ اُن میں بھیل، گونڈ، دراوڑ اور اڑیسہ کے جنگلوں میں بسنے والی قوم کے نیم برہنہ افراد کی نہایت مکروہ تصاویر تھیں۔

جب لیکچر ختم ہو گیا تو میں نے کھڑے ہو کر صدر جلسہ سے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی تو میں نے بڑے جوش سے پچیس منٹ تقریر کی۔ میں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں خالص ہندوستانی ہوں۔ میرا خمیر اسی ملک کی سرزمین سے اٹھا ہے۔ آپ لوگوں کی زبان میں اسی روانی سے تقریر کر رہا ہوں جس روانی سے مشنری صاحب نے بزعمِ خود حقائق و معارف کے دریا بہائے ہیں۔ میں نے ہندوستان میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ اب مزید تعلیم کے لئے کیمبرج میں آیا ہوں۔ آپ میری شکل و صورت دیکھ کر اور میری باتیں سن کر خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ مشنری صاحب نے ہندوستان کے باشندوں کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان مشرقی دنیا کا ایک متمدن و مہذب ملک ہے، جس نے صدیوں تک تہذیب اور علم کی شمع بلند رکھی ہے۔ اگرچہ ہم سیاسی طور پر انگلستان کے غلام ہو گئے ہیں، لیکن ہمارا اپنا ادب ہے، اپنا تمدن ہے، اپنی قومی روایات ہیں، جو کسی طرح مغربی قوموں کی روایات سے کم شاندار نہیں ہیں۔ مشنری صاحب نے محض آپ کے جذبات کو برانگیختہ

کر کے آپ کی جیبیں خالی کرنے کے لے ہندوستانیوں کی یہ گھناؤنی اور خوفناک تصویر پیش کی ہے۔۔۔

جونہی میری تقریر ختم ہوئی، جلسے کا رنگ بالکل بدل گیا۔ سب لوگ میرے ہم خیال ہو گئے اور مشنری صاحب کو حد درجہ مایوس ہو کر وہاں سے خالی ہاتھ نکلنا پڑا''۔ ☆

پادری فنڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

مسلمان علماء کرام کو مجبوراً ان سیاسی پادریوں کی حرکات سے پھیلنے والے منفی اثرات کو روکنے کے لیے میدان میں اُترنا پڑا۔ چنانچہ اس میں دو بڑے نام سامنے آئے جنہوں نے آگے مسلم مکالمہ کی بنیادیں تیار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کی جانب سے نمایاں طور پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور دوسری جانب سے مشہور و معروف پروٹسٹنٹ پادری فنڈر سامنے آئے۔

پادری فنڈر نے ''میزان الحق'' کے نام سے کتاب لکھی جس میں اسلام اور بانی اسلام کے متعلق انتہائی سطحی زبان استعمال کرتے ہوئے قرآن و بائبل سے دلائل دیئے گئے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اس کے جواب میں ''اظہار الحق'' کے نام سے کتاب لکھی جس میں میزان الحق کے اندر دیئے گئے دلائل کا رد کیا اور ان تمام اعتراضات و اشکالات کا جواب دیا۔

پادری فنڈر کا طریقہ تبلیغ انتہائی جارحانہ تھا۔ علمی اختلاف سے قطع نظر جو چیز مسلمانوں کے لیے باعث تکلیف تھی وہ پادری فنڈر کا طرز تحریر اور طرز تقریر تھا۔ چنانچہ مجبوراً پادری فنڈر کے پھیلائے ہوئے منفی اثرات کو ختم کرنے کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پادری فنڈر کو آگرہ میں کھلے مناظرے کا چیلنج دیا جو بعدازاں تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ آپ اپنی کتاب'' ازالۃ الشکوک'' میں اس مناظرہ کی وجوہات لکھتے ہیں:

''اب ان وجوہ کا بیان کرتا ہوں کہ جس کے سبب یہ مباحثہ واقع ہوا، اول یہ کہ روز بروز شور و غل پادریوں کا بڑھتا چلا جاتا تھا، اور زبانی فریاد کرتے تھے کہ مسلمانوں سے ہمارا جواب نہیں بن پڑتا، اور اپنے رسالوں کے آخر میں ایسی ایسی باتیں بھی چھاپنے لگے تھے۔ اس پر میں نے چاہا کہ اپنے مقدور کے موافق میں بھی ہاتھ ہلاؤں شاید اللہ کچھ ثمرہ نیک دیوے۔

دوم یہ کہ جس عیسائی سے ملاقات ہوئی، اور اس سے کچھ تذکرہ آیا، اس کی تقریر سے یہی معلوم ہوا کہ ''میزان'' ان کے گمان میں ایسی ہے کہ گویا الہام سے لکھی گئی ہے اور مسلمان اس کے جواب سے عاجز ہیں اور اگر ان کو کہا جاتا کہ یہ بات غلط ہے۔ ''میزان الحق'' کا کیا ذکر اس کے مصنف سے بھی مسلمانوں کو کچھ خوف نہیں۔ سو وہ کہتے تھے کہ صاحب جب تم کو اس سے پالا پڑے تب تم جانو''۔ (ازالۃ الشکوک، جلد ۱، ص ۴۷)

یہ بین المذاہب مکالمہ کا تاریخی پسِ منظر ہے۔

بعد ازاں اسلام کے خلاف روایتی مناظراتی سوچ رکھنے والے مسیحی مبلغین کے دلائل کے رد میں حضرت احمد دیداتؒ اپنا ثانی نہ رکھتے اور اہل مغرب کے طریقہ گفتگو پر مناظرہ کرنے کے ماہر تھے۔ حضرت رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''اظہار الحق'' کے ہاتھ آ جانے کے بعد اُن کے دلائل میں قوت پیدا ہو گئی تھی۔ ساؤتھ افریقہ میں مسیحی مبلغین کے اسلام پر سر عام حملوں نے اُنہیں اُن کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حضرت دیداتؒ کو جس طرح کے متعصب مسیحی مشنریوں کا سامنا کرنا پڑا اُس کے ردعمل کے طور پر حضرت دیداتؒ کا مناظراتی اور جارحانہ طرز تبلیغ سامنے آیا۔

☆ (غلام دستگیر رشید، آثارِ اقبال، ص ۳۹-۴۱، بحوالہ محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۲۲۸-۲۳۰، مطبوعہ بزمِ اقبال-کلب روڈ لاہور)

شیخ احمد دیداتؒ اس صدی کے ایک عظیم مبلغ تھے اور اسلام اور مسیحیت کے مابین مناظروں اور مکالموں کی تاریخ میں آپ کی خدمات سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے اسلامی دُنیا بالخصوص مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کو مسیحی مبلغین کی طرف سے درپیش علمی ونفسیاتی چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بنایا اور دیارِ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کے ایمان کو تقویت بخشی۔

شیخ الاسلام کے طرزِ تبلیغ کی امتیازی خصوصیات

اگر یہ بات کہی جائے کہ شیخ احمد دیدات 1857ء کے زمانے سے سامنے آنے والے بین المذاہب مکالمہ کے طرز کے وارث ہیں تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ بلاشبہ ان کی خدمات سے انکار ممکن نہیں مگر کیا آج کے دور کے اندر ہم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور شیخ احمد دیدات کے اس طرز اسلوب پر چلتے ہوئے دنیائے انسانیت کے لئے امن و محبت کے پیغام کو عام کرسکتے ہیں؟

کیا اس مناظراتی رنگ کو لئے ہوئے ہم تہذیبوں کے مابین تصادم کو روک سکتے ہیں؟

کیا اس نوعیت کا طرزِ گفتگو اکیسویں صدی میں اسلام کو دیگر اقوام و مذاہب کے ساتھ مل جل کر رہنے میں اپنا کردار ادا کرسکتا ہے؟۔۔۔۔ ان تمام سوالات کا جواب ''نہیں'' ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس سمت کیا تجدیدی کردار ادا کیا اور ان کا طرز اسلوب کن خصوصیات کا حامل ہے، آیئے اس پر ایک روشنی ڈالتے ہیں:

پہلی خصوصیت: تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب

اسلام نے شرعی مسائل کی تحقیق کے لئے درج ذیل چار بنیادی دلائل تجویز کئے ہیں جنہیں مصادرِ شریعت اور ماخذِ قانون کہا جاتا ہے۔

۱۔ قرآن　　۲۔ سنت

۳۔ اجماع　　۴۔ قیاس

اثباتِ احکام، استنباط مسائل اور ماخذ نتائج میں ان مصادر کی شرعی حجیت مذکورہ بالا ترتیب سے تسلیم کی گئی ہے۔ تاکہ مسائل و احکام کے استنباط و استخراج میں ایک نظم اور ضابطہ قائم رہ سکے۔ (پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب، صفحہ ۵)

شیخ عبدالوہاب بیان کرتے ہیں:

''یہ ادلّہ اربعہ جن سے استدلال پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ وہ اسی طرح اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ادلہ اربعہ سے استدلال کے لئے یہ ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی۔ پہلے قرآن پھر سنت پھر اجماع اور پھر قیاس، اس طرح کہ اگر کوئی واقعہ پیش ہوتو پہلے قرآن میں دیکھے اگر قرآن میں اس کا حکم مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کردے اور اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملے تو سنتِ نبوی ﷺ میں سے تلاش کرے اگر سنت میں اس کا حکم موجود ہوتو اس کے مطابق کرگزرے اور اگر سنت میں اس کا حکم نہ ملے تو دیکھے کہ آیا کسی زمانے کے مجتہدین کا اس بارے میں کوئی فیصلہ ہے؟ اگر موجود ہوتو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر اجماع میں بھی نہ ملے تو اس کے حکم کو معلوم کرنے لئے کسی وارد شدہ نص کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اجتہاد کرے۔ اس استدلال پر دلیل سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اوراپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو''۔

''اس وجوب ترتیب کا مفاد یہ ہے کہ کتاب، سنت کے مقابلے میں۔۔۔ سنت، اجماع کے مقابلے میں۔۔۔ اور اجماع ، قیاس کے مقابلے میں قوی تر ہوگا۔ بالفاظِ دیگر عدمِ تطبیق کی صورت میں قرآن ، سنت کا ناسخ ہو سکتا ہے۔ سنت قرآن کی نہیں۔ البتہ احناف کے مطابق سنتِ متواترہ اور مشہورہ سے قرآن کی تخصیص وتقیید ہوسکتی ہے۔ اسی طرح چونکہ سنت کا حکم اجماع سے فائق اور اولیٰ تر ہوتا ہے لہذا کوئی بھی اجماع، سنت کا ناسخ نہیں ہوسکتا کیونکہ اجماع کا جواز بھی محض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کتاب وسنت دونوں کی کوئی نص موجود نہ ہو۔ اگر کتاب و سنت کی نص کسی مسئلے پر مل جائے تو اس کے ہوتے ہوئے فی نفسہٖ اجماع کا جواز ہی باقی نہیں رہتا چہ جائیکہ اس کے ذریعے سنتِ رسول ﷺ کو ترک کر دیا جائے یا اسکی تخصیص وتقیید کی جائے اور یہی حال اجماع کا قیاس کے مقابلے میں ہے۔ محض قیاس یا متفرد اجتہاد سے اجماع کی تنسیخ ممکن نہیں''۔ (ایضاً ، صفحہ۲۲تا ۲۴)

1857ء کے زمانے سے اس نوعیت کی چلی آنے والی کتب میں اس شرعی اسلوب کا فقدان ہے۔ ہم نے گذشتہ سطور میں چونکہ شیخ احمد دیداتؒ کو اس زمانے کے علمی ورثے کا امین قرار دیا ہے۔ لہذا انہی کے اسلوب کا اس ضمن میں شیخ الاسلام کے طرز اسلوب کے ساتھ موازنہ کریں گے۔

حضرت دیداتؒ کی کتاب ''کیا بائبل کلامِ الٰہی ہے؟'' معلومات کا خزانہ ہے، طرزِ تحریر مناظراتی ہے مگر پوری کتاب کے علمی دلائل کی ترتیب میں درج بالا شرعی اسلوب موجود نہیں ہے۔ موضوع پر اگر آپ کی پہلے سے دسترس نہیں ہے اور مطالعہ وسیع نہیں ہے تو آپ کو کتاب کے مرکزی نقطہ کو سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی۔ حضرت دیداتؒ کی کتب سے فائدہ اٹھانے کیلئے موضوع سے واقفیت کے ساتھ ساتھ جاندار مطالعہ کے فنی و سائنسی اصولوں سے بھی واقف ہونا بہت ضروری ہے تاکہ بے ترتیب دلائل میں سے قاری مرکزی نکتہ تلاش کر سکے۔

دلائل کی بے ترتیبی سے قاری کے ذہن میں کنفیوژن پیدا ہوتا ہے۔ انسان غیر شعوری طور پر بات تو سمجھ جاتا ہے مگر اس ''بے ترتیب سمجھ'' سے اپنے موقف کو واضح اور منظّم انداز میں کسی دوسرے کو پیش کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

اس کے برعکس اگر آپ شیخ الاسلام مدظلہ کے تمام خطبات اور کتب کا مطالعہ کریں تو آپ کو شریعت اسلامیہ کے دلائل میں شرعی ترتیب اور سائنسی نظم ملے گا۔ شیخ الاسلام نے تو اس تقریر وتحریر میں دلائل کی ترتیب کے شرعی اصول وضوابط پر اُردو زبان میں ایک کتابچہ ''تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب'' بھی لکھی ہے۔

دوسری خصوصیت: اسلامی ماخذ و دلائل

حضرت دیداتؒ اپنے مناظرات میں اسلام کے موقف کو پیش کرتے ہوئے اسلامی عقائد ونظریات کو بائبل ہی کے متن سے ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ قرآن مجید کی آیات بھی حسب ضرورت پیش کرتے ہیں مگر اسلامی عقائد ونظریات کے دلائل اکثر و بیشتر بائبل کی آیات ہی ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسیحی مبلغ یا سامع نے اسلام کے کسی عقیدے پر حملہ یا وضاحت طلب کی تو اسلامی عقیدے کو اسلامی دلائل ونظریات سے ثابت کرنے کی بجائے بائبل کی آیات سے ہی ثابت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس التزامی طریقہ سے یہ کمزوری پیدا ہوتی ہے کہ حضرت دیداتؒ کے عقیدت مند اور شاگرد بائبل مقدس کے متن اور علم کے تو بے حد ماہر ہوتے ہیں اور گھنٹوں گفتگو کے لئے تیار رہتے ہیں مگر ان کے ہاتھ سے اگر بائبل لے لی جائے اور قرآن تھما دیا جائے تو متعلقہ موضوع پر چند آیات پڑھنے کے علاوہ ان کے پاس سنت و حدیث نبوی ﷺ اور مفسرین کرام کی آراء سے متعلق کوئی خاص معلومات نہیں ہوتیں۔ ایسے تمام مسلم مبلغ (حضرت دیداتؒ

سمیت) مسیحیت اور بائبل مقدس پر ماہر اور اسلامی علوم و فنون پر کمزور ہوتے ہیں اسی لئے یہ تمام تر گفتگو بائبل اور مسیحی مذہب کے حوالے سے کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثلاً حضرت دیداتؒ کی تصنیف ’’مسیح اسلام میں‘‘ (Christ in Islam) کے آخری صفحات میں معجزات مسیح علیہ السلام پر بحث کرتے ہوئے قاری کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معجزات معیارِ نبوت نہیں، مگر اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں سب دلائل بائبل ہی سے نقل فرماتے ہیں۔ یعنی دعویٰ اسلامی اور دلائل بائبل کے، ایک بھی دلیل اسلامی ماخذ سے پیش نہیں فرمائی۔ اس طرزِ تحریر سے قاری مسیحی دلائل کے ماخذ سے تو واقف ہو جاتا ہے مگر اسلامی دلائل اور اُن کے ماخذ و مصادر سے اُس کی واقفیت نہیں ہو پاتی۔ مختصر یہ کہ حضرت دیداتؒ کے مناظروں اور کتابوں کی ایک کمی ’’اسلامی ماخذ و دلائل کا فقدان‘‘ ہے۔

اسی لیے علماء اسلام فرماتے ہیں کہ اپنے عقائد ونظریات پر مکمل عبور حاصل کیے بغیر دوسرے عقائد و نظریات پر مطالعہ کرنا (تقابل ادیان) علمی وفکری پریشانیوں کا باعث بن سکتا ہے اور اپنے عقیدے و ایمان کے ساتھ جذباتی تعلق نہ ہوتو انسان کو ایمان سے محروم ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اسی لیے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عقل مند آدمی پہلے حق کی معرفت حاصل کرتا ہے پھر کسی کی بات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر وہ حق ہوتا ہے تو اس کو تسلیم کرلیتا ہے خواہ اس کے کہنے والا مسلمان ہو یا کسی دوسرے مذہب کا پیروکار۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سونے کے ساتھ مٹی ملی رہتی ہے اور صراف کے لیے کوئی خطرے کی بات نہیں کیونکہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر مٹی اور سونے کو علیحدہ کرلیتا ہے مگر سادہ لوح عوام (اور ان جیسے علماء و مبلغین کو بھی) ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں کامل پیراک کے سوا بے وقوف آدمی کو ساحلِ سمندر میں پیراکی سے منع کرنا چاہیے۔ لڑکے کو سانپ چھونے سے منع کرنا چاہیے نہ کہ ماہر سپیرے کو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

’’میرے نزدیک کثرت ایسے نادان لوگوں کی ہے جو (بزعم خود) اپنے آپ کو عقل مند و ماہر گردانتے ہیں (اور سمجھتے ہیں) جبکہ حق و باطل کی تمیز میں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دوسرے مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ ایسے افراد پر بند کر دیا جائے جب تک وہ پہلے اپنے ایمان وعقیدہ پر مکمل عبور حاصل نہ کرلیں‘‘۔ (امام غزالی، **المنقدمن الضلال**، ص ۲۹، بترجمہ تلاشِ حق از خالق حسن قادری، مطبوعہ ۱۹۷۱ء، محکمہ اوقاف پنجاب-لاہور)

اس کے برعکس شیخ الاسلام مدظلہ کی گفتگو، لیکچرز اور کتب میں اسلامی علوم وفنون کا سمندر ملتا ہے۔ قاری اور سامع عقائد ونظریات پر واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اسلاف کے علمی ذخیرہ سے بھی واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔ خطاب کا عنوان تو مخصوص ہوتا ہے مگر شیخ الاسلام مدظلہ کے وسعت مطالعہ کے باعث ایک ہی خطاب سے سامع کی زندگی کے کئی مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور کئی سوالات کے جواب مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت دیداتؒ تو صرف موضوع سے متعلقہ سوال پوچھنے کی قید لگاتے ہیں مگر شیخ الاسلام مدظلہ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپ نے خطاب کے بعد نشست سوال و جواب میں سوالات کی نوعیت کو مخصوص کرنے کی کبھی قید نہیں لگائی۔

راقم الحروف کو بین الاقوامی سطح پر بے شمار مسلمان اور مسیحی علماء کرام کو سننے کا اتفاق ہوا ہے مگر سوالات و جوابات کے سیشن میں جواب اس طرز پر دینا کہ موضوع زیر بحث پر مکمل تسلی وتشفی ہو جائے بلکہ موضوع سے متعلق خود ہی مزید سوالات کا تعارف کرواتے ہوئے جواب کے مختلف پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتے جانا، یہ خصوصی شرف صرف شیخ الاسلام مدظلہ کے ہی حصے میں آیا ہے۔ سوال و جواب کے سیشن کی صورت میں اسلامی دلائل کا وسیع ذخیرہ علم بھی تحریک منہاج القرآن کا خصوصی شرف ہے جس میں دُنیا کی کوئی اور تحریک (اسلامی و غیر اسلامی) شامل نہیں، اور یہ بات ہم محض جذبات کی بنیاد پر

نہیں بلکہ باقاعدہ تحقیق کی بنیاد پر عرض کر رہے ہیں۔

تیسری خصوصیت: سمندر کو کوزے میں بند کرنا

حضرت دیداتؒ کے مناظروں اور خطبات میں Key Points ہر جملے میں پوشیدہ نہیں ہوتے۔ بعض اوقات تو آپ موضوع زیر بحث میں اس قدر تفصیل میں جاتے ہیں کہ ذہن اصل موضوع سے ہٹ کر محض تمثیلات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ایک خطاب پر بمشکل دس بارہ جملے ہی اصلی موضوع سے متعلقہ ہوتے ہیں۔ ایسے خطابات کے Notes تمثیلات و تفصیلات نکال کر Key Sentences ایک صفحے پر ہی آ جاتے ہیں۔

مگر اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام مدظلہ کو قوت استنباط کی نعمت کے ساتھ ساتھ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا بھی فن عطا کیا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

''گفتِ کوتہ بہتر ست'' مختصر بات بہتر ہوتی ہے۔ (دفتر اول)

شیخ الاسلام مدظلہ ایک جملے میں سامعین کی برسوں سے الجھی ہوئی علمی گرہ کو کھول دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ مثالیں بھی ایسی بیان فرماتے ہیں جو نہ صرف نہایت سادہ اور روزمرہ کے مشاہدہ میں آنے والی ہوتی ہیں بلکہ اپنے علمی سرمائے کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام مدظلہ کا ہر جملہ اپنی جگہ ایک مکمل موضوع کی ترجمانی کرتا ہے اور وہ اپنے اگلے پچھلے جملوں سے بھی معنوی طور پر اس طرح سے جڑا ہوا ہوتا ہے کہ اُس جملے کی انفرادی و اجتماعی شانیں اکٹھی نمایاں ہو رہی ہوتی ہیں۔ مگر یہ بات وہی محسوس کر سکتا ہے جس کا مطالعہ وسیع ہو اور جاندار مطالعہ کے سائنسی اصولوں سے بھی واقف ہو۔

اگر کسی شخص نے سطحی سوچ کی بجائے علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو کر مثنوی مولانا رومؒ پڑھی ہے تو وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ جس طرح مولائے رومؒ بڑے سے بڑا روحانی مسئلہ روزمرہ کے مشاہدے میں آنے والے واقعات کی مدد سے عقلی طرز استدلال پر حل کر جاتے ہیں اُسی طرح یہ فیض ہمیں شیخ الاسلام مدظلہ کی شخصیت میں بھی بہت نظر آتا ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں شیخ الاسلام مدظلہ کے بہت سارے خطابات پیش کیے جا سکتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت: ضبط و تحمل کا مظاہرہ

قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے ہی مسلمانوں کو یہ بتا دیا تھا کہ مسلمان اہل کتاب اور مشرکین سے بہت اذیت ناک باتیں سنیں گے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (آل عمران: ۱۸۶)

''(اے مسلمانو!) تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا اور تمہیں بہر صورت ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سے اذیت ناک (طعنے) سننے ہوں گے، اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ اختیار کیے رکھو تو یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے''۔

غیر ضروری مناظرات ہمیشہ سے علمائے اسلام کے نزدیک ناپسندیدہ رہے ہیں کیونکہ اس سے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں مناظرات کے فسادات پر مکمل ایک باب بھی تحریر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

'' واضح ہونا چاہیے کہ جو مناظرہ اس غرض کیلئے ہو کہ خود جیتنا اور دوسرے کو شکست دینا, لوگوں میں اپنے فضل و شرف، خوش تقریری اور فخر کو دکھلا کر اپنی طرف مائل کیا جائے تو ایسا مناظرہ اُن تمام عادتوں کا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور شیطان کے نزدیک اچھی ہیں اُن کا منبع ہوتا ہے۔ باطن کی برائیوں کو (یعنی کبر، حسد، مرض، شہرت و عہدہ کی محبت وغیرہ کو) اس مناظرے سے وہ نسبت ہے جو ظاہر کی خرابیوں مثلاً زنا، گالی، قتل و چوری وغیرہ کو شراب پینے سے ہے، مثلاً جس طرح کوئی شخص

شراب پینے کو چھوٹی بُرائی سمجھ کر پی جائے اور پھر نشہ کی حالت میں اس سے باقی خرابیاں بھی سرزد ہوں بالکل اسی طرح جس شخص کے دل میں مناظروں کے ذریعے عوام الناس میں ایک فریق کی محبت کم کرنا اور اپنے فتح یاب ہونے سے شہرت اور عہدہ کی طلب حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے تو یہ باتیں اس بات کی علامت ہوتی ہیں کہ ہر طرح کی خباثتیں اس کے دل میں چھپی ہوئی ہیں اور گندی عادتیں اس کی شخصیت میں جمع ہیں''۔
(امام غزالی، احیاء علوم الدین، باب العلم، ص ۱۰۲)

اگر آپ اس مناظراتی تبلیغ دین سے پیدا ہونے والے مسائل دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ حضرت دیداتؒ کا Deedat's Encounter with Christian Missionaries کا مناظرہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ مناظرہ کسی مسلمان کے گھر پر ہوا جس میں تبلیغ مسیحیت کے لئے آئے ہوئے دو انگریز مسیحی مشنریوں سے حضرت دیداتؒ کی ملاقات کروائی گئی تھی۔ اس مناظرے کی ابتداء کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ انگریز مشنریوں کا موقف یہ تھا کہ دین اسلام کی حقانیت پر گفتگو سے آغاز کیا جائے جب کہ حضرت دیداتؒ کا موقف یہ تھا کہ بائبل مقدس کی صحت و حقانیت پر گفتگو کا پہلے آغاز کیا جائے۔ دونوں فریقین حملے کرنے میں پہل کرنا چاہ رہے تھے کیونکہ کسی کے مذہب پر سوالات کے ذریعے حملہ کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے اور حملہ کرنے کے لئے موضوع پر علمی دسترس کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہ کام کم علمی و جہالت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص فضول اور بے بنیاد سوالات کرنے کے لئے کسی علمی تحقیق کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

جواب دینے کے لئے انسان کو علمی و فکری اعتبار سے مضبوط ہونا پڑتا ہے۔ اگر آپ کی ساری زندگی بائبل کو غلط کتاب ثابت کرنے پر لگی ہے اور اُس سے زیادہ وقت قرآن و سنت کی تعلیمات کو سمجھنے پر نہیں لگا تو آپ پھر حملہ آور کی پوزیشن سنبھالنے کو ترجیح دیں گے تاکہ گفتگو کا آغاز و اختتام دوسرے کے عقیدہ کو غلط ثابت کرنے پر ہی ہو اور اپنے عقیدہ و مذہب پر سوال و جواب کرنے کی مہلت بہت کم ملے تاکہ اپنی کم علمی کا بھانڈا بھی نہ پھوٹے۔

اس کے برعکس اگر آپ شیخ الاسلام کا ''مناظرہ ڈنمارک'' دیکھیں تو آپ روایتی مناظراتی طرز گفتگو کے برعکس یہ دیکھیں گے کہ شیخ الاسلام نے مسیحی مشنریوں سے مخاطب ہوتے ہوئے گفتگو کا آغاز اس نکتہ سے کیا کہ وہ اگر اسلامی عقائد و نظریات کے حوالے سے (موضوع کی قید نہ لگاتے ہوئے) کوئی بھی سوال پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں۔ یہ بظاہر تو عام سی بات لگتی ہے مگر یہ دعوت صرف وہی شخص دے سکتا ہے جس کی اپنے عقائد و نظریات پر گہری نظر ہو اور فکری و اضحیت کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کے حکیمانہ پہلوؤں سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد شیخ الاسلام نے مزید کسی سوال کی طلب نہ دیکھ کر پھر مسیحی مشنریوں سے بائبل کی صداقت و حقانیت پر گفتگو شروع کی۔

مختلف احباب کی جانب سے دیگر مذاہب کے علماء کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور طرز اسلوب کا موازنہ اگر آپ شیخ الاسلام کی تحریر و تقریر اور طرز اسلوب سے کریں تو آپ بآسانی یہ جان جائیں گے کہ شیخ الاسلام کی گفتگو میں دیگر احباب کی نسبت اخلاقی رواداری اور صبر و تحمل کا اظہار بہت زیادہ اور جابجا نظر آتا ہے اور اس طریق پر دعوت اسلام کا حق بخوبی ادا ہوتا ہے۔ دیگر احباب اپنی گفتگو میں دلائل جیتنے کی کوشش میں نظر آتے ہیں مگر شیخ الاسلام کا طرز گفتگو دلائل کے ساتھ ساتھ دل جیتنے کی سعید کاوشوں کا مظہر ہے۔

وراثتِ پیغمبرانہ کے امین کے نام

پروفیسر محمد نصراللہ معینی

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اپنے دور خلافت میں ایک دن مسجد نبوی میں حلقہ احباب میں بیٹھے تھے۔ اور یہ وہ دور تھا جب خلافت اسلامیہ کی سرحدیں ہزاروں میلوں تک پھیل چکی تھیں اور قیصر وکسریٰ آپ کے نام سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ کسی نے کہا امیرالمومنین آپ کے دنیاوی مقام ومرتبہ کا حال سب کے سامنے ہے۔ آخرت کا حال یہ ہے کہ آپ کو زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی ہے۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابوبکر و عمر سیدا کھول اھل الجنۃ ابوبکرو عمر جنت کے ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہیں۔ یوں جنت کے ایک طبقہ کی سرداری عطا ہونے کی بھی نوید دے دی گئی۔

امیرالمؤمنین! آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود کیا کوئی ارمان ابھی دل میں باقی ہے؟

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میری ایک حسرت ہے کہ کاش میں معلم ہوتا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ان اساتذہ کے لئے مشعل راہ ہے جو دیگر پیشوں اور حکومتی مناصب کے ٹھاٹھ باٹھ، سہولتیں اور تنخواہیں دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے اور حسرت وپچھتاوے سے دوچار رہتے ہیں۔ یہ دردوغم کی کیفیت اس لئے ہے کہ بدقسمتی سے معلمین کی اکثریت پیشۂ تدریس کو صرف روزی اور حصول زر کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ معلّمی صرف ایک پیشہ نہیں ایک بہت بڑی نعمت اوراعزاز ہے، اس لئے کہ تمام پیغمبر انسانیت کے معلم تھے۔ خود سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

”انما بعثت معلما“

”میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

یہ ارشاد رسول ﷺ ایک مسلمان استاد کو عزت وسرفرازی کے آسمان پر پہنچا دیتا ہے، کیونکہ اس فرمان مبارک کی روشنی میں وہ

☆ وراثتِ پیغمبری کا امین ٹھہرتا ہے۔

☆ اور مسند رسول ﷺ کا وارث قرار پاتا ہے۔

پیغمبرانہ وراثت کا امین بننے اور مسند رسول ﷺ کا وارث قرار پانے سے بڑا منصب اور مقام و مرتبہ بھلا کسی مسلمان استاد کے لئے کوئی متصور ہوسکتا ہے؟ ہر صاحب شعور کے پاس یقیناً اس کا جواب نفی میں ہی ہوگا۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا ہمارے دور کے معلم کو اس مقام ومرتبے کی عظمت اور تقاضوں کا ادراک بھی ہے یا نہیں؟

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں نے مختلف کالجوں میں اپنی چونتیس سالہ سروس کے دوران اس مقدس پیشے سے وابستہ افراد کی اکثریت کو اس منصب کی عظمت

اوراس کے تقاضوں سے بے بہرہ یا غافل اورلاپرواہ پایا۔کیسے پایا؟ فرائض منصبی سے غفلت اورکوتاہی برتنا،وقت کی پابندی نہ کرنا اپنے علم کواپ ٹوڈیٹ نہ کرنا۔ابلاغ علم میں بخل کرنا،تعصّبات یا مفادات کے تحت امتحان خصوصاً سمسٹر سسٹم کے امتحانات میں اپنے منظور نظر طلباء وطالبات کونوازنا اوردیگر کونظر انداز کردینا۔شکوہ وشکایت پرطلباء سے تھانیدارانہ رویہ اپنانا۔ان کے مستقبل کے برباد ہونے کی پرواہ نہ کرنا۔طلباء کی تربیت اور کردار سازی سے لاپرواہی برتنا۔علاوہ ازیں کئی اورپہلو بھی ہیں جن پرمشاہدات اورتجربات کی روشنی میں تفصیل سے بات کی جاسکتی ہے لیکن ان صفحات میں اس کی گنجائش نہیں۔

طالبان علم کی تعلیم وتربیت کے لئے ہمارے پیارے رسول ﷺ کتنے فکر مند تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ فرمائیے۔

قال صلی اللہ علیہ سیاتیکم اقوام یطلبون العلم فاذارأیتموھم فقولوا لھم مرحبا مرحبابوصیة رسول اللّٰہ واقنوھم٥

آپ ﷺ نے فرمایاعنقریب لوگ علم کی طلب میں تمہارے پاس آئیں گے انہیں دیکھو تو انہیں خوش آمدید کہو، رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے ساتھ خوش آمدید اور(پھر)انہیں تعلیم سے مالامال کردو۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: **اذاجاء کم فاستو صوابھم خیراً٥**

جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بھلائی کی تلقین کرو۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔

جب علم کی تلاش میں تمہارے پاس آئیں۔**فَرَحبُوْھُمْ وَحَیُّوْھُمْ وَعَلِّمُوْھُمْ.**

تم انہیں مرحبا کہوان کی زندگی سنورانے کا سامان کرو اورانہیں تعلیم دو۔

اس فرمان رسول ﷺ کے الفاظ پرغور کیا جائے توپتہ چلتاہے کہ سرورعالم ﷺ ایک مسلمان استاد کوصرف تعلیم دینے والے کے روپ میں ہی نہیں دیکھنا چاہتے بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے طلباء کے لئے خیرخواہ اورسراپا شفقت ومہربانی بن جائے اوراس کی شفقت وحسن اخلاق طلباء کے پاؤں کی زنجیر بن جائے تاکہ وہ بڑی نیاز مندی اور شکر گذاری کے ساتھ علم کی پیاس بجھا سکے ۔اگرمعلم کواس کے تلامذہ کی حالت بے چین نہیں کرتی،ان کی فکرمیں اس کی آنکھیں نہیں بھیگتیں' ان کی خیروفلاح کے لئے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ نہیں اٹھتے توسمجھ لے کہ وہ ابھی مسندرسول ﷺ کاوارث کہلانے کا حق دارنہیں بنا،کیونکہو ہ اس مکرم ہستی کی مسند کاوارث ہے جس کی درد مندی اوردلسوزی اورخیر خواہی کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتاہے۔

لَعَلَّکَ بَاخِعُ نَفْسکَ اَلَّایَکُوْنُوْامُوْمِنِیْنَ٥

ایسا لگتا ہے کہ آپ اپنے آپ کواس فکرمیں گھلا کرجان کھودیں گے کہ وہ(قریش مکہ) دولتِ ایمان سے سرفراز کیوں نہیں ہوتے۔

آج کے استاد کی توجہ صرف نصابی کتب پڑھانے اورنصاب ختم کرانے پر مرکوز رہتی ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ طالب علم کیسا انسان بن رہاہے،اس کے اندرکس قسم کی عادات پروان چڑھ رہی ہیں اوراس کے اندر پیداہونے والے رویوں میں خاندانی نظام یا اسلامی سوسائٹی کے لئے کیا خطرات پوشیدہ ہیں۔

حکیم الامت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اپناایک واقعہ اسرارخودی ورموزبے خودی میں بیان کرتے ہیں کہ میں نوعمرتھا۔ برا بھلا سوچنے کی طرف توجہ کم تھی ایک دن دروازے پرایک سائل آیا جس نے کرخت آواز میں

صدا لگائی ۔ مجھے اس پر غصہ آ گیا۔ایک ڈنڈا میرے ہاتھ میں تھا جسے میں نے اس کے سر پر دے مارا۔فقیر زخمی ہوگیا بھیک اس کے ہاتھ سے گرگئی اور سر سے خون بہنے لگا۔جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو وہ میرے والد گرامی کے پاس جا کر شکوہ کناں ہوا۔

والدگرامی نے فقیر کا حال سنا اور دیکھا تو آنکھیں برس پڑیں۔مجھے بلایا اور کہا بیٹا میری بات توجہ سے سنو:

گفت فردا امتِ خیر الرسل
جمع گردد پیش آں مولائے کُل
درمیانِ انجمن گردد بلند
نالہ ھائے ایں گدائے درد مند
اے صراطت مشکل از بے مرکبی
من چہ گویم چوں مرا پرسد نبی
حق جوانے مسلم با توسپرد
کو نصیبے از دبستانم نبرد

کہا کل قیامت کے دن ساری دنیا موجود ہوگی پیغمبروں،صدیقوں،شہیدوں کا مجمع ہوگا۔ خیرالرسل ﷺ کی امت بھی آپ کے گرد جمع ہوگی۔اس مجلس میں اس گدا کی درد بھری آواز بلند ہوگی۔ ایسے میں تیرا باپ اپنی سفید داڑھی لے کر اپنے پیغمبر کے سامنے بحثیت ملزم پیش ہو اور حضور ﷺ مجھ سے پوچھیں کہ اے اقبال کے والدمیں نے تیرے سپرد ایک امانت کی تھی اور ایک مسلمان بیٹا تیرے حوالے کیا تھا کہ اس کی تعلیم و تربیت اس طرح کرنا کہ یہ ایک اچھا انسان بن کر میرے پاس آئے لیکن اس نے میرے دبستان سے کچھ حاصل نہیں کیا ۔تونے اسے یہ تعلیم دی کہ یہ غریبوں کوستائے اور بلاوجہ مارے پیٹے ۔ اے بیٹا بتا! میں اس پیارے رسول ﷺ کو کیا جواب دوں گا۔پھر فرمایا:

باز ایں ریش سفید من نگر
لرزہ امید و بیم من نگر
بر پدر ایں جور نازیبا مکن
پیش مولا بندہ را رسوا مکن

میری سفید داڑھی کو دیکھو میری امید و بیم کی کیفیت میں لرزش کو ملاحظہ کرو۔ اپنے باپ پر ظلم نہ کرو اسے اپنے آقا کے سامنے رسوا ہونے سے بچالو پھر فرمایا:

غنچۂ از شاخسارِ مصطفیٰ ﷺ
گل شو از بادِ بہار مصطفیٰ ﷺ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرہ ، از خُلق او باید گرفت

اے بیٹے تو مصطفیٰ کریم ﷺ کی شاخ کا غنچہ ہے تو مصطفوی باد بہاری سے فیضیاب ہو کر پھول بن جا۔ان کی بہار سے رنگ و بو حاصل کرلے اوران کے اخلاق عالیہ سے بہرہ یاب ہوجا۔

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اپنے والد گرامی کی باتیں سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے مجھے اپنے فعل پر بڑی ندامت ہوئی،عاجزی سے معافی مانگ کر عہد کیا کہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔

وہ لوگ جو اس شعبۂ تعلیم وتربیت سے وابستہ ہیں،خواہ والدین ہیں یا اساتذہ‘ حضور ﷺ کی امت کے بیٹے اور بیٹیاں ان کے پاس اللہ اوراسکے رسول ﷺ کی امانت ہیں اگر یہ امانتیں ان کی غفلت شعاری،لا پرواہی،بے عملی،غیر منصفانہ اورغلطرویوں کی وجہ سے علم نافع اورعمل صالح سے محروم ہوکرراہ حق سے برگشتہ ہوگئیں ،تواس کی جوابدہی دربارالٰہی اوردربار رسالت میں کرنا پڑے گی اوراس میں اقبالؒ کے والد گرامی جیسے حساس، دردمند اور باکردار معلم ہی سرخرو ہوں گے۔

بالمیک مندر نیلا گنبد (لاہور) کے صحن میں محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ

تحریک منہاج القرآن کی ڈائریکٹوریٹ آف انٹرفیتھ ریلیشنز کے زیراہتمام بالمیک مندر نیلا گنبد(لاہور) کے صحن میں عظیم الشان محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ منعقد ہوئی۔اس محفل کے دوران مندر کے درودیوار نعتوں اور درود و سلام سے گونجتے رہے۔ محسن انسانیت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت کا کیک کاٹا گیا۔معروف نعت خوانوں نے نعت رسول مقبول کے نذرانے پیش کئے۔ نمازعصر باجماعت مندر کے احاطے میں ادا کی گئی۔

تارا چند، لبھا بھگت اور شمس گل نے مشہور زمانہ نعت ’’شاہ مدینہ یثرب کے والی سارے نبی تیرے در کے سوالی‘‘ پڑھ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔محفل میں پنڈت بھگت لال، مسیحی رہنماء پادری چمن سردار، سہیل احمد رضا، پیر سید علی رضا، جی ایم ملک، قاضی فیض الاسلام، حافظ غلام فرید، علامہ محمد حسین آزاد، سید عثمان نوری، سید حسین نقوی، ڈائریکٹر آئی سی آر ناصر سہیل، حفیظ اللہ جاوید، ڈاکٹر اقبال نور اور دیگر مسیحی، ہندو اور مسلم رہنماؤں نے شرکت کی۔

پنڈت بھگت لال نے گفتگو کا آغاز آقائے دوجہاں کی بارگاہ میں نعت پڑھ کر کیا۔ انہوں نے کہا کہ صرف مسلمانوں کا محمد ﷺ پر اجارہ نہیں ہے۔ محسن انسانیت محمد مصطفیٰ ﷺ پوری انسانیت کیلئے رحمت بن کر آئے اور اس رحمت سے ہندو اور دیگر مذاہب کے پیروکار بھی حصہ لے رہے ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اسلام کا پیغام محبت وسلامتی عام کر رہے ہیں۔ اسلامی دنیا کے اس عظیم سکالر نے ہم تک حقیقی اسلامی تعلیمات پہنچائی ہیں جس میں نفرت، انتہا پسندی اور تشدد کا نہیں سلامتی، امن اور مذاہب کے احترام کا پیغام ہے۔ شیخ الاسلام نے ویمبلے کانفرنس لندن میں 12 ہزار افراد کے اجتماع میں 6 مذاہب کے رہنماؤں اور پیروکاروں کو ایک چھت تلے جمع کر کے ہمارے دل جیت لئے ہیں۔ منہاج القرآن کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم نے مندر میں میلاد مصطفیٰ کرانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم پاکستانی ہیں اور محمد ﷺ کے میلاد کی خوشیوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ شریک ہیں۔

نائب ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن جی ایم ملک نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مندر میں میلاد مصطفیٰ ﷺ کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کے دامن میں غیر مسلموں کو مکمل تحفظ اور آزادی حاصل ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کاوشوں کے ثمرات بیرونی دنیا سمیت وطن عزیز میں بھی ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ مکالمہ کا دروازہ کھول کر ہی دنیا کو دائمی امن دیا جاسکتا ہے۔

تحریک منہاج القرآن کی انٹرفیتھ ریلیشنز کے ڈائریکٹر سہیل احمد رضا نے کہا کہ اسلام کا پیغام محبت آج بالمیک مندر کے ذریعے پوری دنیا تک پہنچا ہے۔ پنڈت بھگت لال نے محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ منعقد کر کے بین المذاہب رواداری کی جو مثال قائم کی ہے ہم اسکی دل سے قدر کرتے ہیں۔منہاج القرآن کی فکر حضور کی محبت اور اسلام کے پیغام محبت اور سلامتی پر استوار ہے۔ اسی کی بدولت آج بالمیک مندر نیلا گنبد لاہور میں بین المذاہب رواداری کی عظیم مثال رقم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی انسانیت کو امن دینے کی مؤثر فکری و عملی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج ملک کی ہندو برادری کو بھی اپنے مندر میں میلاد مصطفیٰ منانے کا اعتماد ملا ہے۔ اسلام نفرتوں کو ختم کر کے سلامتی اور امن کے رویوں کو فروغ دیتا ہے اور منہاج القرآن اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا میں عام کرنے کا احسن فریضہ ذمہ داری سے ادا کر رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

تحریک منہاج القرآن کراچی کے زیر اہتمام میلاد مصطفیٰ ﷺ کانفرنس

تحریک منہاج القرآن کراچی کے زیر اہتمام 8ویں سالانہ میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کینیڈا سے ویڈیو کانفرنس کے ذریعے براہ راست خصوصی خطاب کیا۔

کانفرنس کی صدارت حضرت پیر ڈاکٹر سید مہدی رضا شاہ سبزواری (سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت قلندر لعل شہباز سہون شریف، سندھ) نے کی جبکہ حضرت پیر شفیع محمد مشوری (سجادہ نشین درگاہ عالیہ مشوری شریف)، سید سرور چشتی (سجادہ نشین درگاہ عالیہ اجمیر شریف)، شیخ زاہد فیاض (مرکزی سینئر نائب ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن) اور حاجی عبدالرؤف (چیئرمین اے آر وائی گروپ) مہمان خصوصی تھے۔ ان کے علاوہ پروگرام میں آغا مرتضیٰ پویا (مرکزی ممبر سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن)، ڈاکٹر الحاج خواجہ محمد اشرف (سرپرست تحریک منہاج القرآن سندھ)، ڈاکٹر نعیم انور نعمانی، سید محمد ظفر اقبال، مخدوم ندیم احمد ہاشمی اور علامہ عباس کمیلی بھی معزز مہمانوں میں شامل تھے۔

تحریک منہاج القرآن کراچی کے قائدین نائب امیر تحریک قیصر اقبال قادری، ناظم تحریک راؤ کامران محمود، اشرف قیصر ایڈووکیٹ اور منہاج القرآن کراچی کے دیگر قائدین، منہاج القرآن ویمن لیگ، منہاج القرآن یوتھ لیگ اور مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے عہدیداران بھی کانفرنس میں شریک تھے۔ میلاد کانفرنس میں سندھ بھر سے علماء و مشائخ اور خواتین و حضرات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ جس میں سندھ بھر سے عشاقانِ مصطفیٰ کی کثیر تعداد بھی شامل تھی۔

کانفرنس کی مکمل کارروائی QTV ARY اور Minhaj TV کے ذریعے براہ راست نشر کی گئی جس سے دنیا بھر کے ناظرین اس کانفرنس میں شریک رہے۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز شب 10 بجے تلاوت قرآن پاک سے ہوا، قاری غلام حسن نے تلاوت قرآن کا شرف حاصل کیا جبکہ محمد صابر نے حمد پیش کی۔ اس کے بعد نعت خوانی کے سلسلہ میں ذوالفقار علی حسینی، سید رفاقت علی، نور برادران ماجد نور اور ساجد نور نے اپنے مخصوص انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

پروگرام میں اجمیر شریف کے سجادہ نشین حضرت سید سرور چشتی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن سے محبت ان کے عقیدے کا حصہ ہے کیونکہ منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری محبت مصطفیٰ صلی اللہ علی وآلہ وسلم کو نگر نگر عام کر رہے ہیں۔ یہ پیغام عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے کہ ہم بھی اس محفل میں شریک ہیں۔ وہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی کامیابی و کامرانی کے لیے دعا گو ہیں۔ پروگرام میں نائب امیر تحریک کراچی قیصر اقبال قادری نے نقابت کی جبکہ ناظم تحریک کراچی راؤ کامران محمود نے اظہار تشکر پیش کیا۔

میلاد کانفرنس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری شب ساڑھے 12 بجے کینیڈا سے بذریعہ ویڈیو کانفرنس براہ راست مخاطب ہوئے۔ شیخ الاسلام نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت و نسب اور شان و حسب کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا۔

اقبالؒ اور بیداریٔ امت

حافظ ارشد اقبال

علامہ محمد اقبالؒ دور جدید کے ایک موثر اور متحرک مفکر کی حیثیت میں نہ صرف پاکستان بلکہ عالمِ اسلام اور دنیا بھر میں نہایت سنجیدگی اور عزت وتکریم سے جانے جاتے ہیں۔ اقبالؒ روایت اور جدیدیت کا حسین امتزاج پیش کرتے ہوئے ان تمام ممکنات کو زیر بحث لاتے ہیں جو انسانی زندگی کو درپیش ہیں۔ مشرقی اور مغربی تحریکوں کی مکمل آگہی انکے منفرد فکری نظام کا حصہ بن کر ان کے پیغام کو آفاقیت بخشتی ہے۔

چلی ہے لیکر وطن کے نگارخانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

اقبالؒ کا کلام انسان کی مخفی صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور ان کے لامتناہی امکانات کوعمل میں لانے کا پیغام دیتا ہے، موضوعات کی وسعت اورفکر کی گہرائی کے باعث جدید مسلم مفکّرین میں اقبالؒ کو بلاشبہ بطور حوالہ بہت کثرت اور اعتماد سے استعمال کیا جاتا ہے۔

اقبالؒ کے افکار مساوات اور ہم آہنگی پر مبنی ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں جو نہ صرف اپنی ثقافتی، روحانی اور مذہبی اقدار سے مکمل آگاہ ہو بلکہ زمانے کی رفتار اور تقاضوں کا بھی بھرپورساتھ دے۔ امن، عالمی بھائی چارے اور سماجی انصاف کی موثر ترجمانی کرنے والے اقبال تنوع اور رنگارنگی کو انسانیت کا حسن اور بنیادی وصف قرار دیتے ہیں۔

اقبالؒ کی شاعری کا مطمع نظرمسلم اُمّہ کی بیداری ہے۔ اقبالؒ کی شاعری میں قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں متعدد بصیرت افروز نکات ملتے ہیں لیکن شاعری کا اصل اور نچوڑ دیکھا جائے تو وہ ملت بیضا کی عظمت رفتہ کی بحالی ہے۔ انکا یہ ایمان تھا کہ عشق مصطفیٰ ﷺ میں دین و دنیا کی فلاح ہے اور اسی جذبہ سے ملت بیضا کی عظمت رفتہ کو واپس لایا جا سکتا ہے۔ ملت اسلامیہ کی عزت و سربلندی کے حصول کے لیے وہ شریعت کے اولین سرچشموں سے سیرابی اور صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگیوں کوسامنے رکھتے ہوئے نوجوانان ملت کو بیدارکرتے ہیں۔

اقبالؒ اپنے فکر وتخیل کی دنیا میں خود کو ہمیشہ قافلہ حجاز سے وابستہ سمجھتے رہے اور رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ان کے قلب و روح کے لیے سامان راحت بنی رہی اور سفرِ زندگی میں ہر قدم پر اقبالؒ ذات مصطفیٰ ﷺ ہی کو اپنا ہادی وراہنما تسلیم کرتے رہے۔

سالار کارواں ہے میرحجازؐ اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں اپنا

اقبالؒ ایک طرف تو مسلم امہ کی زبوں حالی اور اسکی وجوہات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف اس مرض سے بچنے کی تدابیر تجویز کرتے ہیں۔ بانگ درا میں

’’خطاب بہ نوجوان اسلام‘‘ کے عنوان سے مسلمان نوجواں سے اس طرح مخاطب ہیں:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جسکا ہے ایک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اُس قوم نے پالا آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا

اسی نظم کے اگلے اشعار میں افسوس کیساتھ کہتے ہیں کہ ہم نے جب اسلام کی میراث کو بھلا دیا تو ہمارا زوال شروع ہوگیا۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا تھا رونا کہ وہ ایک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مُسلّم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ملت اسلامیہ کو اس کے شاندار ماضی کا آئینہ دکھاتے ہوئے اقبالؒ اسے اپنے ماضی پر فخر کرنے کا درس دیتے ہیں اور اس میں سے اس کی نشاۃ ثانیہ کیلئے راہیں تلاش کرتے ہیں۔ اقبالؒ کو ایک تو اسلامی روایات بہت عزیز ہیں دوسرا ان کے نزدیک کوئی قوم اقوام عالم میں اس وقت تک اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتی جب تک کہ وہ اپنی تاریخ، روایات، اقدار اور ملی خصوصیات کا تحفظ نہ کرے۔

اقبال کا ’’شکوہ‘‘ مسلمانوں کی ماضی کی تصویر ہے اور عظمت رفتہ کا نشان ہے جبکہ ’’جواب شکوہ‘‘ مسلمانوں کے حال کی ایک جھلک ہے۔ ’’جواب شکوہ‘‘ میں اقبالؒ نے عصر حاضر کے مسلمانوں کو جہاں اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے آئینہ مہیا کیا ہے وہاں اُسے یہ بھی یقین دلایا کہ اگر وہ بے عملی کی دلدل سے نکل آئے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے تو مستقبل بھی اُسی کا ہے ’’جواب شکوہ‘‘ حقیقتاً امت کی بیداری کیلئے نسخہ کیمیا ہے۔ اقبال بیداری امت میں حقیقی رکاوٹ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے یہ ملت بیضاء غرباء کے دم سے
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصافِ حجازی نہ رہے
وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہو ہنود
یہ مسلمان ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلماں بھی ہو
ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو! یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

جوابِ شکوہ میں مستقبل کا لائحہ عمل دیتے ہیں کہ امت کو کیا کرنا چاہیے؟ فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت و رفعنا لک ذکرک دیکھے
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بیداریٔ امت میں حائل رکاوٹیں

بیداری ملت کے لیے اقبالؒ نے اپنی شاعری میں کبھی تو افراد ملت کو ان کا شاندار ماضی دکھایا تو کبھی اتحاد و یقین کی دعوت دی۔ کبھی تو اسکی غلامی پہ رضامندی، سستی و کاہلی اور عمل سے فراغت پر کڑی تنقید کی تو کبھی مغربی تہذیب سے بچنے کا درس دیا۔

انھوں نے ایک طرف مومن کو پختہ عزمی، اسلاف سے روحانی نسبت اور خودی کا درس دیا تو دوسری طرف منافقت، مادہ پرستی، بنیاد پرستی سے بچنے کی تلقین کی۔ امت کی بیداری میں حائل چند اہم رکاوٹوں کا ذکر ہمیں اقبال کے افکار سے یوں ملتا ہے۔

1-غلامی

اقبالؒ کے ہاں ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی غلامی ہے کیونکہ باقی جتنے مسائل تھے وہ صرف اس مسئلے کے حل ہونے میں مضمر تھے۔ اقبالؒ کے نزدیک غلامی ایک لعنت ہے اور اس سے نجات کیلئے وہ ملت اسلامیہ کو اس کے شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہوئے آزادی اورحریت کا سبق دیتے نظر آتے ہیں۔

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

غلامی کے مقابلے میں آزادی کو یوں بیان کرتے ہیں:

آزاد کا ہر لحظہ پیغام ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئ مرگ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوتا
ہے بندہ آزاد خود ایک زندہ کرامات

مغلیہ خاندان (تیموریان ہند) تاراج ہوا۔ ان مغلوں کی سستی، کاہلی، تن آسانی اور بے حمیتی پر اقبالؒ اپنی نظم ''غلام قادر روحیلہ'' میں کہتے ہیں۔

مگر یہ راز کھل گیا سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

اقبالؒ اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی ایک شخص کے گناہ تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن جب پوری قوم بے حمیتی پر ڈٹ جائے تو ان کیلئے کوئی چارہ ساز نہیں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

امت مسلمہ کو خدا کا قانون کچھ اس انداز میں سمجھایا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اقبالؒ غلامی کی لعنت پر کڑھتے ہوئے مسلمانوں کی تساہل پسندی کو ملت کا گناہ قرار دیتے ہیں اور تقدیر امم میں ملت اسلامیہ کو شمشیر بے نیام رکھنے کا درس دیتے ہوئے اسے اسکا شاندار ماضی یاد دلاتے ہیں کہ یہ ملت اسلامیہ ہی تھی جس نے قیصروکسریٰ کے استبداد کو مٹایا۔

مٹایا قیصرو کسری کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدرؓ، فقربوذر، صدق سلیمانیؓ

غلامی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ بندہ مومن کو بندۂ خدا نہیں بلکہ بندۂ نفس و شیطان بنا دیتی ہے۔ نتیجتاً وہ توحید الٰہی کے حقیقی سبق کو بھلا بیٹھتا ہے۔ توحید کا حقیقی سبق یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو۔

قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ نہیں جانتا
فقیہہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

لاالہ الاللہ ہی وہ کلمہ ہے جو بندۂ مومن کو غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔ اقبالؒ کو یقین ہے کہ توحید سے ایک دن یہ چمن معمور ہوگا۔

شب گریزاں ہو گی جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

2- اتحاد کا فقدان

مسلم امہ میں لسانی، مسلکی اور علاقائی بنیادوں پر تفریق بیداری امت میں حائل رکاوٹوں میں سے ایک بڑی رکاوٹ ہے علامہ اقبالؒ اسی کی اہمیت کے پیش نظر فرماتے ہیں۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اسی تناظر میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

علامہ ان اشعار میں ہمیں وہ بھولا ہوا سبق یاد دلا رہے ہیں جس درس کی تلاوت ہر مسلمان قرآن مجید میں کرتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا. (آل عمران: ۱۰۳)

’’اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کے اُس فضل کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا اور تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

اسی آیت قرآنی کا مفہوم اپنے الفاظ میں یوں ادا کرتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

3- مغرب کی تہذیبی یلغار

علامہ اقبال مغربی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تہذیب مسلمانوں کیلئے زہرِ قاتل ہے مغربی تہذیب کی بنیاد ’’عقیدہ کفارہ‘‘ اور ’’مادی ترقی‘‘ ہے جبکہ اسلامی تہذیب عقائد، عبادات، معاملات اور اعمال و اخلاق کا ایک پورا نظام رکھتی ہے۔ ’’عقیدہ کفارہ‘‘ کا مفہوم یہ ہے کہ ’’جو کچھ کر لو سب کچھ جائز ہے‘‘ اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اِس طرح کی سوچ بعض مسلمانوں کے ہاں بھی ملتی ہے، جو عملاً سستی اور کاہلی کو جنم دیتی ہے اور بیداری کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

اقبالؒ اس تہذیب کے حوالے سے فرماتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

مسلمان دانشوروں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

اور اس حوالے سے اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

4- منافقت اور مادہ پرستی

قوموں کے زوال اور بربادی میں ایک بڑی اور اہم وجہ منافقت اور مادہ پرستی ہے۔ منافقت بیداری کی بجائے بزدلی پیدا کرتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ (المائدہ: ۵۲)

’’سو آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں گے جن کے دلوں میں (نفاق اور ذہنوں میں غلامی کی) بیماری ہے کہ وہ ان (یہود و نصاریٰ) میں (شامل ہونے کے لیے) دوڑتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں خوف ہے کہ ہم پر کوئی گردش (نہ) آجائے (یعنی ان کے ساتھ ملنے سے شاید ہمیں تحفظ مل جائے)‘‘۔

اقبالؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکتِ میانہ حق و باطل نہ کر قبول

5- نسبتِ روحانی میں انقطاع

امت مسلمہ کی بیداری کیلئے ضروری ہے کہ امت کا تعلق اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت کے ساتھ ساتھ اتباع اور اطاعت کا تعلق بہت گہرا ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (آل عمران: ۳۱)

”(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہوتو میری پیروی کروتب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے“۔

اقبالؒ اس آیت کے پس منظر میں اس محبت کو یوں بیان کرتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ است
گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است
در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

اور پھر ایک مقام پر یوں اِس عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادئ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یسین، وہی طٰہٰ

علامہؒ ”ارمغان حجاز“ میں اپنی نظم ”ابلیس اپنے مشیروں سے“ میں بیان کرتے ہیں کہ :ابلیس یہ مشورہ دیتا ہے کہ اگر حضور ﷺ کا لایا ہوا دین اور آئین نافذ ہوگیا تو دنیا میں واقعی امن ہوسکتا ہے اس لیے اے میرے چیلو! تمہارا کام ہے کہ تم نظام مصطفیٰ ﷺ کو کبھی نافذ نہ ہونے دینا۔

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دین
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدبیضا ہے پیران حرم کی آستین
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکار شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفرین
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئین تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقین
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

اقبالؒ اس جانب بھی توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ آج کے مسلمان کا حال یہ ہے کہ وہ الفاظ کے پیچ وخم میں الجھے ہوئے ہیں اور اصل بات کہ خدا کے نظام کو خدا کی زمین میں کیسے نافذ کرنا ہے اس طرف غوروفکر سے خالی ہیں۔ امت کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ محترم محمد اسماعیل سندھو (امیر تحریک منہاج القرآن سرگودھا) مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور جملہ مرکزی قائدین نے ان کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کی بخشش ومغفرت کیلئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں خصوصی جگہ عنائت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجرعظیم عطا فرمائے۔ آمین

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم فرید منظور قادری (نعت خواں) کے والد محترم مرزا منظور حسین (موچی دروازہ لاہور)، محترم محمد غلام فرید (اچھرہ والے) کے والد محترم جمال دین اور والدہ محترمہ (پاکپتن)، محترم عبدالرشید چھل (گوجرانوالہ) کی اہلیہ، محترم محمد عابد قادری (صادق آباد) کے والد محترم حاجی محمد طفیل، محترم پروفیسر عبدالرزاق چیمہ (گوجرانوالہ)، محترم حاجی محمد ارشد (عزیز بھٹی ٹاؤن لاہور) کی والدہ محترمہ اور زوجہ محترمہ، محترم عنایت اللہ (راولپنڈی) کے والد محترم حاجی میاں محمد، محترم رفاقت محمود جنجوعہ (شیر پور جہلم) کی پھوپھو جان، محترم محمد عباس (ٹیکسلا کینٹ) کی والدہ محترمہ، محترمہ نائلہ (گوجرہ) کے خاوند محترم آفتاب کھوجہ، محترم میاں عبدالمجید (گوجرہ)، محترم راشد محمود قادری (گوجرہ) کے تایا جان، محترم عرفان بیگ (گوجرہ) کی ساس، محترم باجی فاخرہ (گوجرہ) کے والد محترم، محترم حافظ رفیق عاقب منہاجین (مریدکے) کے والدین، محترم میاں اللہ دتہ (مریدکے) کی ہمشیرہ، محترم کاشف فاروق وڑائچ (مریدکے) کی چچی جان، محترم محمد الیاس (مریدکے) کی بھابھی، محترم فاروق احمد بٹ (مریدکے) کی والدہ محترمہ، محترم خواجہ محمد اشرف (صدر تحریک منہاج القرآن نوشہرہ، خیبر پختونخواہ)، محترم منیر حسین (خوشاب) کے والد محترم حاجی نصیر دین، محترم میاں ارشد منیر (UK) کے والد محترم، محترم مستقیم (UAE) کے والد محترم، محترم محمد حنیف مغل (آسٹریا) کی اہلیہ محترمہ، محترم محمد بشارت (سعودی عرب)، محترم محمد اجمل (UK) کے والد محترم، محترم سید ابرار سرور شاہ (کوٹلی) کی ساس محترمہ، محترم ظفر اقبال طاہر (بھمبر) کے والد محترم، محترم ماجد حیات (سرگودھا) کی ہمشیرہ اور سسر، محترم چوہدری محمد رفیق (چنیوٹ) کے جواں سال بیٹے چوہدری محمد طارق، محترم محمد اشفاق (چنیوٹ) کے بھتیجے محمد عدنان، محترم عبدالستار (چنیوٹ) کا جواں بیٹا، محترم پروفیسر ظفر احمد شہباز (چنیوٹ) کے دادا جان، محترم افضل سیالوی (بھوانہ چنیوٹ) کے والد محترم، محترم چوہدری محمد رفیق (چنیوٹ) کے کزن جاوید اور محمد یونس، محترم ظفر عباس (چنیوٹ) کے بہنوئی، محترم سیٹھ محمد نواز (مریدکے) کے سسر، محترم محمد شہباز قادری (مریدکے) کی بیٹی، محترم حافظ محمد اسلم (جرپال۔ نارووال) کی والدہ محترمہ، محترم محمد رشید قادری (چنیوٹ) کی والدہ محترمہ، محترم سیٹھ اقبال انصاری (حافظ آباد) کی بھاوج، محترم خالد حسین قادری، ناصر امین (حافظ آباد) کے چچا محترم محمد رفیق، محترم حافظ عبدالشکور زاہد (حافظ آباد) کی عزیزہ (فیصل آباد)، محترم ڈاکٹر محمد سلیم ریحان (مریدکے) کی والدہ محترمہ، محترم محمد الطاف (مریدکے) کے والد محترم، محترم محمد اعجاز مغل (مریدکے) کے بھائی، محترم چوہدری محمد شہباز باجوہ (مریدکے) کی بھابھی، محترم اللہ بخش (ہجن کوٹ مومن) کے والد محترم، محترم محمد اسلم (ہجن کوٹ مومن) کے چچا جان، محترم خالد محمود ضیاء (ہجن کوٹ مومن) کی والدہ محترمہ، محترم مظہر اقبال قادری (کوٹ مومن) کے والد محترم، محترم صفدر علی انجم (کراچی) کی نانی جان، محترم نصیر احمد ناز (مریدکے) کی نانی جان، محترم نوید احمد اندلسی (جنرل سیکرٹری MQI سپین) کی والدہ محترمہ اور محترم اکرام اللہ خان نیازی جسپال (سالم) کے بھائی قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

انتقال پُر ملال: گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزہ و اقارب قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ محترم شیخ زاہد فیاض (سینئر نائب ناظم اعلیٰ) کی خالہ جان ☆ محترم غلام مصطفیٰ (نظامت ممبرشپ) کے والد محترم

☆ محترم محمد یوسف منہاجین (ایڈیٹر ماہنامہ منہاج القرآن) کی پھوپھو جان اور کزن

☆ محترم محمد قدیر علی (سیکرٹری ٹو ناظم اعلیٰ) کے خالو جان ☆ محترم محمد زاہد (منہاج القرآن پبلیکیشنز) کی پھوپھو جان

اللہ تعالیٰ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین